حرفِ اُو را ریب نے تبدیل نے

(قسط سوم)

تحریر: مولانا منظور احمد آفاقی، نوتک محمید، ڈیرہ غازی خان

ناسخ ومنسوخ قرآن

اس عالم رنگ وبو میں حرکت، تغیر، تبدیلی اور ارتقاء کا عمل کار فرما ہے۔ دن کے بعد رات کا آنا، سورج، چاند، اور ستاروں کا طلوع و غروب ہونا، گرمی، سردی، بہار اور خزاں کا تغیر و تبدل، ہواؤں کا چلنا، بارش کا برسنا، بیج کا اگنا پھر درخت اور کھیتی کی شکل اختیار کرنا، بار آور ہونا اور بالآخر ایک دن کٹ جانا وغیرہ مظاہر عالم زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ یہ کائنات ساکن و جامد نہیں ہے بلکہ اس میں زندگی کی ہلچل ہے، اور ہر شئ بقائے اصلح کے تحت نمو اور ارتقاء کے مراحل طے کر رہی ہے۔

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

یہ کرۂ ارض صدیوں کے تغیرات کے بعد موجودہ شکل میں ڈھلا ہے۔ ابتدائی انسان اور موجودہ انسان میں ان گنت تبدیلیاں نظر آتی ہیں، طرز معاشرت، تہذیب و تمدن، کسب معاش، تعلیم و تعلم غرض ہر شعبے میں آئے دن تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ اور انسان خوب سے خوب تر کی تلاش میں پرانی اقدار کو چھوڑتا اور نئی اقدار کو اپناتا چلا جا رہا ہے۔ اسی قانون انقلاب نے اسے عروج و کمال کی بلندیوں تک پہنچنے کی راہ دکھائی ہے۔ یہاں یہ سوال ابھرتا ہے کہ کیا مذاہب اور شرائع بھی تغیر وتبدل کے اس ہمہ گیر قانون سے دوچار ہوتے ہیں؟ جی ہاں وہ بھی اس انقلاب آفرین اصول سے بہرہ ور ہیں۔ جب پورا معاشرہ حرکت کناں ہے، ہر نئی صبح اپنے دامن میں نت نئے مسائل لے کر طلوع ہوتی ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ قانون اور شریعت کا ڈھانچہ جوں کا توں قائم رہے اور اس میں نئے مسائل کے حل کے لئے کوئی تبدیلی اور رد وبدل کی گنجائش نہ ہو۔ مذہب اور شریعت کے دائرے ہر زمانے میں سکڑتے اور پھیلتے رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں شریعت کا جو سادہ اسلوب مروج تھا وہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں جو احکام نافذ العمل تھے پال (Paul) کے تصور مسیحیت نے ان پر خط تنسیخ کھینچ دیا تھا کیونکہ ان میں اب اتنی سکت باقی نہیں رہی تھی کہ وہ نئے تقاضوں کو پورا کر

سکیں۔ مزید برآں گزشتہ امتوں کو وہی احکام دیئے گئے جن کی قوت برداشت ان میں تھی اور جو احکام ان کی برداشت سے باہر تھے یا ان کے حالات کے لئے مناسب و موزوں نہیں تھے انہیں بعد میں آنے والے انبیاء اور امتوں کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ انجیل یوحنا میں ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ملتا ہے۔"ان لی امورا کثیرۃ ایضا لا قول لکم و لکن لا تستطیعون ان تحتملوا الان و اما متی جاء ذاک روح الحق فھو یرشدکم الی جمیع الحق۔"(۱)

اس کا ترجمہ اردو انجیل میں یوں کیا گیا ہے۔

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے۔ مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔"(۲)

کیتھولک ترجمہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔

"میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ تم سے کہوں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی روح الحق آئے گا تو وہ ساری سچائی کے لئے تمہاری ہدایت کرے گا۔"(۳)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت کو بہت سے احکامات اور ہدایات دینا چاہتے تھے لیکن حالات ساز گار نہیں تھے قوم میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ انہیں بجالاتی لہٰذا انہوں نے ان احکامات کو اس وقت ملتوی کر دیا اور وضاحت فرمائی کہ ان کی ہدایت کے لئے "روح حق" آئے گا۔ اور جو احکام فی الحال ملتوی کئے گئے ہیں وہ انہیں نافذ کرے گا۔ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت کو نامکمل چھوڑ گئے اور تکمیل "روح حق" کے ہاتھوں ہوئی۔ بالفاظ دیگر شریعت کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ ان پر قرآن حکیم نازل کیا۔ اس عظیم کتاب نے مذہب میں نئی روح پھونکی' انسانیت جن مسائل سے دوچار تھی ان کا نہایت کامیاب اور مؤثر حل پیش کیا غرض ایک جامع اور ہر لحاظ سے مکمل شریعت نے مذاہب کو تکمیل و اتمام کے نقطہ عروج پر پہنچا دیا' جہاں تغیر اور ارتقاء کا عمل ایک معنی میں ختم ہو چکا ہے۔ اب کسی نئے نبی و رسول اور کسی نئی کتاب و شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

گزشتہ مذاہب و شرائع میں تغیر و تبدل اور ترمیم و تنسیخ واضح ہے' تاریخ کا ایک طالب علم پوچھ سکتا ہے کہ کیا قرآن بھی اس ہمہ گیر قانون سے متاثر ہوا ہے؟ دوسرے الفاظ میں اسے یوں کہہ لیجئے کہ قرآن میں ناسخ و منسوخ کا عمل دخل ہے یا نہیں؟

مسئلہ نسخ قرآن اگرچہ انتہائی آسان اور سادہ سا ہے لیکن مستشرقین نے اپنی افتاد طبع کے تحت اسے بھی مشکل اور پیچیدہ بنا دیا ہے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ انہوں نے ناسخ و منسوخ کی غلط تشریح کر

کے اس سے تحریف قرآن کا مضمون کشید کیا ہے اور علمی دنیا میں یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ قرآن اپنی اصلی شکل میں باقی نہیں رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعونO

صحابہ کرام اور تابعین عظام کے دور میں یہ مسئلہ مشہور و معروف تھا۔ لوگ اس کی حقیقت سے آگاہ تھے وہ جانتے تھے کہ قرآن کی فلاں آیت فلاں مقام پر اور فلاں حالات کے تحت نازل ہوئی تھی اس کا مفہوم شروع میں عام اور عمل کا دائرہ وسیع تھا پھر ایک دوسری آیت نازل ہوئی جس سے اس کے عام مفہوم کو محدود کر کے عمل کے دائرے کو تنگ کر دیا گیا۔ یا کسی سخت حکم کو بعد میں نرم کر دیا گیا۔ یا پہلے ایک نرم اور آسان سا حکم نازل کیا گیا پھر آہستہ آہستہ اس پر پابندیاں لگا کر اسے سخت کر دیا گیا وغیر ذالک۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

"حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے انہوں نے دیکھا کہ وہاں ایک شخص لوگوں کو وعظ سنا رہا ہے آپ نے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ عوام کو وعظ ونصیحت کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دوسروں کو وعظ ونصیحت نہیں کر رہا بلکہ اپنا تعارف کرا رہا ہے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ آپ نے اسے بلا بھیجا اور اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تو ناسخ اور منسوخ کو جانتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ مسجد سے نکل جا اور یہاں وعظ و نصیحت مت کیا کر (ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں کہ آپ نے فرمایا) تو خود بھی ڈوبے گا اور دوسروں کو بھی لے ڈوبے گا۔" (۴)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"آئمہ کا قول ہے کہ جب تک کوئی شخص قرآن کے ناسخ و منسوخ کی پوری معرفت حاصل نہ کر لے اس وقت تک اس کے لئے قرآن کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔" (۵)

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کے ناسخ و منسوخ کو عظیم الشان علم قرار دیا ہے۔ (۶)

کیونکہ اس علم پر عبور حاصل کئے بغیر کوئی شخص مسائل اور احکام میں حتمی اور دو ٹوک رائے قائم نہیں کر سکتا۔

نسخ کا مفہوم

نسخ کا لغوی معنی' تبدیل کرنا' زائل کرنا' مٹا دینا وغیرہ ہے جیسے کہا جاتا ہے "نسخت الشمس الظل" دھوپ نے سائے کو مٹا دیا۔ (۷)

شرعی اصطلاح میں اس کا مفہوم کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے۔

"رفع الحکم الشرعی بدلیل شرعی متأخر۔"(۸)

کسی حکم شرعی کو بعد میں آنے والے کسی دوسرے حکم شرعی سے ختم کر دینا۔ امام راغب اصفہانی نے بھی تقریباً یہی مفہوم بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"ازالة الحکم بحکم یتعقبه۔"(۹)

"کسی حکم کو بعد کے حکم سے زائل کرنا۔"

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے دور میں نسخ کا جو مفہوم سمجھا جاتا تھا وہ اصطلاحی مفہوم کے بجائے لغوی مفہوم کے زیادہ قریب ہے شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

"آنچہ از استقراء کلام صحابہ و تابعین معلوم می شود آنست کہ ایشاں نسخ را استعمال می کردند باز اے معنی لغوی کہ ازالہ چیزے است بچیزے۔"(۱۰)

صحابہ اور تابعین کے اقوال کا کھوج لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نسخ کو اس کے لغوی معنی میں استعمال کرتے تھے یعنی ایک چیز (حکم) سے دوسری چیز (حکم) کو زائل کر دینا۔

شاہ صاحب مرحوم و مغفور نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں نسخ کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"والنسخ فیما یبدونها تغیر حکم بغیرہ' وفی الحقیقة انتهاء الحکم لانتهاء علته۔"(۱۱)

"ایک حکم کو دوسرے حکم سے بدلنا نسخ کہلاتا ہے لیکن حقیقت میں (یہ بدلنا نہیں ہے بلکہ) ایک حکم کا ختم ہو جانا ہے اس وجہ سے کہ اس کی علت ختم ہو گئی۔"

نسخ کے باب میں متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحات میں فرق

علماء متقدمین اور متاخرین کے درمیان نسخ کے مفہوم میں کچھ فرق پایا جاتا ہے۔ متقدمین کے نزدیک نسخ ایک وسیع مفہوم کا حامل ہے۔ کسی حکم سابق میں معمولی سی تبدیلی کو وہ نسخ سے تعبیر کرتے تھے لیکن متاخرین کی نظر میں نسخ یہ ہے کہ جن دو حکموں میں ایسا تضاد پایا جائے کہ بیک وقت ان پر عمل نہ کیا جا سکے' ان میں سے پہلے حکم کو بالکل ختم کرنا' اور دوسرے حکم کو اس کی جگہ رکھنا۔ یعنی پہلے حکم کو ترک کر کے دوسرے حکم پر عمل کرنا۔

متقدمین کی تعریف کی رو سے نسخ کی دو صورتیں ہیں۔

۱ قرآن کے کسی حکم سے جاہلیت کی کسی رسم یا کسی سابق شریعت کے کسی حکم کو زائل کرنا۔

۲ کسی نئے حکم سے کسی پرانے حکم کے بعض اوصاف کو زائل کرنا۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی قرآنی حکم کے اوصاف کے ازالہ کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں۔

(الف) انتہاء مدت عمل یا انتہاء مدت حکم۔

(ب) کلام کو معنی متبادر سے معنی غیر متبادر کی طرف پھیرنا۔

(ج) کسی قید کی اہمیت بتانا یا اس کا اتفاقی ہونا بیان کرنا۔

(د) عام کی تخصیص کرنا۔

(ہ) یہ بیان کرنا کہ اس آیت کا مفہوم موافق یا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے۔ (۱۲)

متقدمین ان تمام صورتوں میں نسخ کے قائل ہیں لیکن متاخرین کے نزدیک انتہاء مدت عمل یا انتہاء مدت حکم کے سوا کسی صورت میں نسخ واقع نہیں ہوتا۔

مولانا محمد تقی امینی نے اوصاف کے ازالے کو آسان الفاظ میں یوں بیان کیا ہے۔

۱۔ عام کو خاص بنا دیا جائے۔

۲۔ مطلق کو مقید کر دیا جائے۔

۳۔ وسعت کو محدود کر دیا جائے۔

۴۔ کسی شرط یا صفت کا اضافہ کر دیا جائے۔

۵۔ بعض صورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

۶۔ عارضی طور پر (کسی حکم کے) نفاذ کو روک دیا جائے۔ وغیرہ (۱۳)

"نسخ" کے اصطلاحی مفہوم کے اس فرق سے متقدمین کے نزدیک قرآن کی آیات منسوخہ کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق یہ دائرہ تقریباً پانچ سو آیات کو محیط ہے اور بقول حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اگر مزید غور و خوض کیا جائے تو یہ تعداد پانچ سو سے بھی بڑھ جاتی ہے (۱۴۔الف) لیکن متاخرین کی اصطلاح کے مطابق آیات منسوخہ کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ خصوصاً اس توجیہ کی بنا پر جو حضرت شاہ صاحب نے اختیار فرمائی ہے۔

* * * * * * *

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

"ما ننسخ من اٰیة او ننسها نأت بخیر منها او مثلها۔" (۱۴ب)

"ہم جس آیت کو منسوخ کرتے یا حافظے ہی سے محو کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر کوئی دوسری آیت بھیج دیتے ہیں۔"

اس آیت کے سیاق و سباق میں یہودیوں کا تذکرہ ہے۔ قرآن نے یہودی شریعت کے متعدد احکامات پر خط تنسیخ کھینچ دیا تھا اس پر اہل کتاب خاصے چیں بہ جبیں ہوئے اور کہنے لگے کہ ایک طرف تو قرآن ہماری کتب مقدسہ کی تصدیق کرتا ہے اور دوسری طرف اس کی تعلیمات کو منسوخ اور ناقابل عمل ٹھہراتا ہے۔ اگر تورات اور انجیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں تو پھر ان کے احکام میں رد وبدل اور ترمیم و تنسیخ چہ معنی دارد؟ کیا خدا اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کو خود اپنے ہی ہاتھوں بدلتا ہے؟ کیا اب تجربہ کے بعد خدا پر اپنی غلطیاں (العیاذ باللہ) واضح ہو رہی ہیں اور وہ ان کی اصلاح بزبان قرآن کر رہا ہے؟ وغیر ذلک من الخرافات [15] اہل کتاب نسخ کے مسئلہ کو غلط رنگ دے کر قرآن کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کر رہے تھے۔ اس مہم سے ان کا مقصد یہ تھا کہ سادہ لوح مسلمانوں کو قرآن اور صاحب قرآن ﷺ سے بد گمان کر دیا جائے۔ ان حالات میں مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور اس پروپیگنڈے کا یہ جواب دیا گیا کہ ہم تورات کا کوئی حکم منسوخ کر کے اس سے بہتر حکم نازل کرتے ہیں' یہودیوں نے جو احکام خداوندی فراموش کر دیئے تھے ان کی تجدید کی جاتی ہے اور جن احکام کی تجدید کی ضرورت نہیں ہوتی انہیں نظر انداز کر کے ان جیسے نئے احکام نازل کئے جاتے ہیں اس طرز عمل سے ایک طرف تو لوگوں کی تربیت کی جاتی ہے' انہیں خوب سے خوب تر کی راہ دکھائی جاتی ہے' اور دوسری طرف شریعت کی تکمیل مقصود ہوتی ہے اور گزشتہ شرائع میں جو خامیاں رہ گئی تھیں انہیں دور کیا جاتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کا ظہور اس لئے ہوا کہ یا تو "نسخ" کی حالت طاری ہوئی یا "نسیان" کی۔ "نسخ" یہ ہے کہ ایک بات پہلے سے موجود تھی لیکن موقوف ہو گئی اور اس کی جگہ دوسری بات آگئی۔ "نسیان" کے معنی بھول جانے کے ہیں۔ پس بعض حالتوں میں ایسا ہوا کہ پچھلی شریعت کسی نہ کسی شکل میں موجود تھی لیکن احوال و ظروف بدل گئے تھے یا اس کے پیروؤں کی عملی روح معدوم ہو گئی تھی' اس لئے ضروری ہوا کہ امتداد وقت سے پچھلی تعلیم بالکل فراموش ہو گئی اور اصلیت میں سے کچھ باقی نہ رہا پس لامحالہ تجدید ہدایت ناگزیر ہوئی۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ نسخ شرائع ہو یا نسیان شرائع لیکن ہر نئی تعلیم پچھلی تعلیم سے بہتر ہوگی یا اس کے مانند ہوگی ایسا نہیں ہوتا کہ کمتر ہو کیونکہ اصل

تکمیل وارتقاء ہے نہ کہ تنزل و تسفل۔"(۱۶)

نسخ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک حکم نازل کیا (نعوذ باللہ) اس کے انجام کا اسے علم نہیں تھا پھر اسے تبدیل یا ختم کرنے کے لئے دوسرا حکم نازل کیا جس سے پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ اس مفہوم کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے علم میں کمی اور نقص لازم آتا ہے (العیاذ باللہ) جب کہ ذات باری تعالیٰ کا علم وسیع اور لامحدود ہے اور ہر قسم کے نقص سے پاک ہے۔ بلکہ نسخ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ فلاں حکم فلاں وقت تک لاگو رہے گا پھر اسے منسوخ کر دیا جائے گا یا اس میں ترمیم کی جائے گی اس کے بعد وقت مقرر پر دوسرا حکم نازل ہوتا ہے جس سے پہلے حکم میں تبدیلی کی جاتی ہے یا اسے بالکل ختم کر دیا جاتا ہے۔ گویا نسخ سے یہ بتایا جاتا ہی کہ پہلے حکم کے نفاذ کی مدت اور اس پر عمل کرنے کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ پہلے حکم کی مدت اور اس کی انتہاء کا بیان ہے۔ چونکہ بندوں کے سامنے پہلے حکم میں وقت اختتام کو ذکر نہیں کیا جاتا اس لئے دوسرے حکم کے نزول کے وقت وہ اپنے محدود علم اور کوتاہی فہم کی بنا پر یہی سمجھتے ہیں کہ حکم میں تبدیلی واقع ہو گئی ہے۔ نسخ کی مثال ایک ماہر طب کے نسخہ کی سی ہے' جسے وہ مریض کی نبض کی حرکت' مرض کی کیفیت' مزاج کی نوعیت' قویٰ' عمر اور موسم وغیرہ کو ملحوظ رکھ کر تجویز کرتا ہے۔ پھر مرض اور موسمی حالات وغیرہ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ وہ نسخہ میں بھی رد وبدل کرتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مرض کی شدت کے دوران جو دوائی مفید تھی وہ مرض کی تخفیف کی حالت میں مضر ثابت ہو گی اس کی مقدار میں کمی کی جائے گی یا اس کی جگہ کوئی اور دوائی تجویز کرنا پڑے گی۔ اگر تخفیف یا افاقہ کے بعد مرض پھر لوٹ آئے تو پہلا نسخہ ہی کار آمد ثابت ہو گا۔ ان حالات میں نہ نسخہ کی کسی دوائی کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ طبیب پر حرف گیری کی جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح حکیم ازل اور علیم و خبیر ذات نے بندوں کے حالات کے مطابق احکام نازل فرمائے ہیں اسے علم تھا کہ فلاں حکم فلاں وقت تک ہے یا فلاں حالات میں مؤثر ہے اس کے بعد اسے منسوخ کر دیا جائے گا یا اس میں ترمیم کی جائے گی۔ پھر جونہی حالات تبدیل ہوتے ہیں ایک نیا حکم نازل ہوتا ہے جس سے پہلے حکم میں ترمیم یا تنسیخ کی جاتی ہے اور اگر کسی زمانے میں پہلے حالات پھر پیدا ہو جائیں تو پہلا (منسوخ شدہ) حکم پھر سے بحال ہو جاتا ہے۔

النسخ فی الاحکام

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن حکیم کے علوم کی پانچ قسمیں بیان فرمائی ہیں:

۱ علم احکام۔
۲ علم مناظرہ۔
۳ علم تذکیر بالاء اللّٰہ۔
۴ علم تذکیر بایام اللّٰہ۔
۵ علم تذکیر موت وما بعد الموت۔[۱۷]

نسخ کا تعلق صرف پہلی قسم یعنی علم احکام کے ساتھ ہے۔ باقی قسمیں منسوخ نہیں ہوتیں ورنہ اس سے ذات باری تعالیٰ کی طرف "کذب" (جھوٹ) اور "بداء" کی نسبت لازم آتی ہے جو قطعی طور پر محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان عیوب سے پاک اور مبرا ہے۔

"سبحانہ و تعالٰی عما یصفونO"[۱۸]

احکام کی بھی متعدد قسمیں ہیں۔ بعض میں نسخ جاری ہوتا ہے اور بعض میں نہیں۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

الف قرآن حکیم میں کچھ احکام ایسے ہیں جن کا تعلق عقائد اور ایمانیات سے ہے وہ کبھی منسوخ نہیں ہوتے۔ مثلاً

"امنوا باللّٰہ ورسولہ"[۱۹] اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

"ولا تشرکوا بہ شیئا۔"[۲۰] "اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔"

ب کچھ احکام ابدی اور دائمی ہیں انہیں بھی نسخ کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں ہے۔ مثلاً

"--- ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا۔"[۲۱] "ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔"

اس آیت مبارکہ میں ان لوگوں کی سزا کا ذکر ہے جو کسی پاک دامن (مرد یا عورت) پر زنا کی تہمت دھریں اور ان کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو تو انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کی جائے۔ یہ حکم ہمیشہ کے لئے دیا گیا ہے لہٰذا یہ کبھی منسوخ نہیں ہو گا۔

ج قرآن حکیم نے کچھ احکام ایسے دیئے ہیں جن کا ایک وقت متعین کر دیا گیا ہے۔ اس مقرر شدہ وقت سے پہلے یہ احکام نسخ کو قبول نہیں کرتے۔ جیسے یہودیوں کی سازشوں اور شرارتوں کے جواب میں مسلمان تلوار اٹھانا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دے کر روک دیا کہ "فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللّٰہ بامرہ"[۲۲] پس تم انہیں معاف کرو اور ان سے درگزر کرو جب تک اللہ تعالیٰ اپنا (دوسرا) حکم نہیں بھیجتا۔ پھر دوسرے حکم (یہودیوں کے ساتھ جہاد کرنے کی اجازت) کے نزول تک یہی پہلا حکم (عفو ودرگزر) واجب العمل رہا اور اسے منسوخ

نہیں کیا گیا۔

مذکورہ بالا تین قسم کے احکام کے علاوہ باقی احکام میں نسخ کا احتمال ہو سکتا ہے۔ انہیں "احکام مطلقہ" کہا جاتا ہے۔ ان میں نسخ کے لئے چند شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ علامہ زرقانی یہ شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"انه لا بد فی تحقق النسخ من امور اربعة'

اولها : ان یکون المنسوخ حکما شرعیا۔

ثانیها: ان یکون دلیل رفع الحکم دلیلا شرعیا۔

ثالثها: ان یکون هذا الدلیل الرافع متراخیا عن دلیل الحکم الاول غیر متصل به کاتصال القید بالمقید والتاقیت بالمؤقت۔

رابعها: ان یکون بین ذینک الدلیلین تعارض حقیقی۔"(۲۳)

نسخ کے لئے چار شرطوں کا پایا جانا بہت ضروری ہے۔

الف منسوخ حکم شرعی ہو۔

ب اس حکم کو ختم کرنے والی دلیل (ناسخ) بھی دلیل شرعی ہو۔

ج اس دلیل (ناسخ) کا پہلے حکم (منسوخ) کے بعد وقوع ہوا ہو' اس کے ساتھ متصل نہ ہو جیسے قید' مقید کے ساتھ اور وقت' مؤقت کے ساتھ متصل ہوتا ہے۔

د ان دونوں دلیلوں (ناسخ و منسوخ) کے درمیان تعارض حقیقی ہو۔

قرآن حکیم کے دو ایسے احکام پر (جن میں تعارض پایا جائے) عمل کرنے سے قبل:

اولاً اس تعارض کو رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تاکہ دونوں پر عمل ہو سکے اور نسخ سے بچا جا سکے۔ اسے جمع' توفیق اور تطبیق بھی کہا جاتا ہے۔

ثانیاً اگر تعارض رفع نہ ہو سکے تو پہلے حکم کو منسوخ قرار دے کر دوسرے پر عمل کیا جاتا ہے اسے روز مرہ پیش آنے والی ایک مثال سے سمجھئے' ایک استاد نے اپنے شاگرد سے کہا کہ وہ سبق یاد کر کے ٹھیک دس بجے سنائے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ استاد نے دوسرا حکم دیا کہ وہ دس بجے سبق نہ سنائے۔ استاد کے یہ دونوں احکام آپس میں متعارض اور متضاد ہیں۔ ناممکن ہے کہ دونوں پر بیک وقت عمل ہو سکے لہٰذا طالب علم یہی سمجھے گا کہ استاد نے دوسرا حکم دے کر اپنے پہلے حکم کو خود ہی منسوخ کر دیا ہے۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ استاد اپنا دوسرا حکم ان الفاظ میں دے کہ ایک بجے سبق سناؤ۔ اس حکم سے طالب علم اس نتیجے پر پہنچے گا کہ استاد نے اپنا

پہلا حکم منسوخ نہیں کیا بلکہ اس میں ترمیم کر دی ہے۔ لہٰذا "سبق یاد کرو" اور "ایک بجے سناؤ" دونوں احکام پر عمل ہو سکتا ہے۔ اور یہی ہے حقیقت "نسخ اور تطبیق" کی۔

نسخ کی صورتیں

کتب اصول میں نسخ کی جو تفصیلات ملتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نسخ کی حسب ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اگرچہ مزید غور و غوض سے ان کی کچھ اور ذیلی صورتیں بھی نکل سکتی ہیں۔

(۱) کتاب کا کتاب سے نسخ۔
(۲) کتاب کا سنت سے نسخ۔
(۳) کتاب کا اجماع سے نسخ۔
(۴) کتاب کا قیاس سے نسخ۔

کتاب کا کتاب سے نسخ

جو علماء قرآن میں نسخ کے قائل ہیں ان سب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کتاب کا کتاب سے نسخ جائز ہے، یعنی قرآن کی کسی آیت کو قرآن ہی کی دوسری آیت منسوخ کر سکتی ہے مثلاً۔

"یٰایھا الذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقة" (۲۴)

"اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنا چاہو تو اس سے قبل کچھ صدقہ دو۔"

اس آیت کو حسب ذیل آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔

"ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوٰکم صدقٰت" (۲۵)

"کیا تم اس سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے (کے حکم) سے ڈر گئے ہو؟"

کتاب کا سنت سے نسخ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، اکثر اہل ظاہر اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن کا کوئی حکم سنت سے منسوخ نہیں ہوتا اگرچہ اس باب میں روایت کی جانے والی حدیث متواتر ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے برعکس اشاعرہ، جمہور معتزلہ، حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواز کے قائل ہیں (۲۶)۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے پوری طرح واضح نہیں ہوتا کہ وہ اس نسخ کے قائل ہیں یا نہیں۔ (۲۷) انہوں نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں

حسب ذیل حدیث نقل کی ہے۔

"کلامی لا ینسخ کلام اللّٰہ وکلام اللہ ینسخ کلامی وکلام اللّٰہ ینسخ بعضہ بعضا۔" (۲۸)

"میرا کلام (حدیث) کلام اللہ (قرآن) کو منسوخ نہیں کر سکتا۔ جبکہ کلام اللہ میرے کلام کو اور خود کلام اللہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔"

جس سیاق میں انہوں نے اس روایت کو نقل کیا ہے اس سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ سنت سے کتاب اللہ کے نسخ کے قائل نہیں ہیں اور ان کا میلان حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے لیکن انہوں نے الفوز الکبیر میں نسخ کی بحث کے تحت ایک ایسی بات لکھ دی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سنت سے کتاب کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں۔ چنانچہ انہوں نے علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے منسوخ قرار دی جانے والی آیات پر نظر ثانی کرتے ہوئے گیارہویں آیت کے ذیل میں لکھا ہے۔

"ومن المائدۃ : ولا الشھر الحرام' منسوخۃ باباحۃ القتال فیہ' قلت : لا نجد فی القرآن ناسخا لہ ولا فی السنۃ الصحیحۃ" (۲۹۔الف)

سورہ مائدہ کی آیت : "ولا الشھر الحرام" محترم مہینوں میں جہاد کی اجازت سے منسوخ ہے لیکن ہم اس کا ناسخ نہ قرآن میں پاتے ہیں اور نہ حدیث صحیح میں۔

ڈاکٹر مظہر بقا لکھتے ہیں:

"یہاں "ولا فی السنۃ الصحیحۃ" کی عبارت سے مفہوم مخالف کے طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب کے سنت صحیحہ سے نسخ کے بھی قائل ہیں واللہ اعلم۔" (۲۹۔ب)

کتاب کا اجماع سے نسخ

بعض معتزلہ کے نزدیک اجماع سے کتاب اللہ کے کسی حکم کو منسوخ کیا جاسکتا ہے لیکن جمہور علماء اس کے برعکس یہ کہتے ہیں کہ اجماع قرآن کے کسی حکم کو منسوخ نہیں کر سکتا۔ (۳۰)

علامہ عبدالعزیز بخاری لکھتے ہیں۔

"ولکن عامۃ الاصولیین انکروا کون الاجماع ناسخا لشیء۔" (۳۱)

"عام (جمہور) علماء اصول' اجماع کے کسی حکم کے ناسخ ہونے کے منکر ہیں۔۔"

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"جمهور الاصوليين على ان الاجماع لا يجوز ان يكون ناسخا" (۳۲)

"جمہور (علماء) اصول یہ کہتے ہیں کہ اجماع کا کسی حکم کا ناسخ بننا روا نہیں ہے۔"

علامہ زرقانی نے اس موضوع پر مفصل بحث کرنے کے بعد لکھا ہے۔

"واما قولهم: هذا الحكم منسوخ اجماعا' فمعناه ان الاجماع انعقد على انه نسخ بدليل من الكتاب او السنة' لا ان الاجماع هو الذى نسخه۔" (۳۳)

"علماء کے اس قول کا کہ یہ حکم اجماعی طور پر منسوخ ہے' مطلب یہ ہے کہ اس بات پر اجماع ہوچکا ہے کہ یہ حکم کتاب یا سنت کی کسی دلیل سے منسوخ ہے نہ کہ اس حکم کو اجماع نے منسوخ کیا ہے۔"

کتاب کا قیاس سے نسخ

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں--

"وقد اختلف علماؤنا' فمنهم من منع نسخ القياس والنسخ به مطلقا' ومنهم من جوزه مطلقا' ومنهم من فصل' والجمهور على جواز نسخه والنسخ به ان كان قطعيا' وعلى منعه ان كان ظنيا۔" (۳۴)

"اس باب میں ہمارے علماء کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔ کچھ علماء قیاس کے ناسخ اور منسوخ ہونے کے مطلقاً منکر ہیں' کچھ مطلقاً قائل ہیں اور کچھ اہل علم نے اس کی تفصیل بیان کی ہے (یعنی وہ نہ تو مطلقاً قائل ہیں اور نہ مطلقاً منکر' بلکہ انہوں نے ایک درمیانی راہ اختیار کی ہے) اور جمہور علماء قیاس قطعی کے ناسخ و منسوخ ہونے کے قائل اور قیاس ظنی کے قائل نہیں ہیں۔"

علامہ عبدالعزیز بخاری لکھتے ہیں۔

"واختلفوا ايضا فى جواز كون القياس منسوخا--- واختار العامة ان لا يكون منسوخا كما لا يكون ناسخا" (۳۵)

"علماء نے اس مسئلے میں بھی اختلاف کیا ہے کہ قیاس منسوخ ہوسکتا ہے (یا نہیں) عام (جمہور علماء) نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ قیاس منسوخ نہیں ہو سکتا جیسا کہ وہ ناسخ نہیں بن سکتا۔"

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق قیاس قطعی قرآن کے کسی حکم کو منسوخ کر سکتا ہے

لیکن علامہ عبدالعزیز بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق قیاس (قطعی یا ظنی) قرآن کے کسی حکم کو منسوخ نہیں کر سکتا۔

معرفت نسخ

قرآن حکیم کی ان آیات میں' جو باہم متعارض ہوں اور تعارض رفع کرنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہو' اس امر کی ضرورت پیش آتی ہے کہ نزول میں مؤخر آیت کو ناسخ قرار دے کر مقدم آیت کو منسوخ ٹھہرایا جائے۔ اس تقدیم و تاخیر کی پہچان کے لئے علماء نے چند اصول وضع کئے ہیں' جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱ ان دو متعارض اور متضاد آیتوں میں کوئی ایسا اشارہ پایا جائے جس سے معلوم ہو کہ فلاں آیت پہلے نازل ہوئی تھی اور فلاں بعد میں' مثلاً "ءاشفقتم ان تقدموا--" کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ آیت: "یٰایھا الذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرسول--" کے بعد نازل ہوئی ہے۔

۲ رسول اللہ ﷺ نے خود تعیین فرمادی ہو کہ فلاں آیت فلاں آیت کے بعد نازل ہوئی ہے اور آپ کا یہ فرمان ہم تک صحیح سند کے ساتھ پہنچا ہو۔

۳ کسی زمانے میں امت کا اس بات پر اجماع منعقد ہو جائے کہ فلاں آیت مقدم اور فلاں آیت مؤخر ہے۔

۴ اگر کوئی صحابی رسول یہ کہے کہ۔

(الف) یہ آیت اس آیت کے بعد نازل ہوئی ہے۔

(ب) یہ آیت اس آیت سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

(ج) یہ آیت فلاں سن میں نازل ہوئی ہے۔

(د) کسی متعارض آیت کا پہلے یا بعد میں نازل ہونا دور صحابہ میں مشہور و معروف ہو۔

(ھ) صحابہ کرام کے یہ تمام اقوال صحیح روایت کی شکل میں اور صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچے ہوں (۳۶) (کیونکہ ضعیف اور موضوع روایت اس باب میں قابل قبول نہیں ہے)۔

نسخ کی پہچان کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی مرحوم و مغفور نے نہایت پتے کی بات کہی ہے۔

"نسخ بمعنی اصطلاحی اصل درمیان آں معرفت تاریخ است۔" (۳۷)

"نسخ کے اصطلاحی معنی کی رو سے اصل چیز آیات (کے مقدم اور مؤخر نازل ہونے۔) کی تاریخ کا معلوم ہونا ہے۔"

شاہ صاحب کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر مظہر بقا لکھتے ہیں۔

"واقعہ یہ ہے کہ معرفت نسخ کے تمام طریقے اس کے ضمن میں آجاتے ہیں۔ اس لئے کہ مذکورہ تمام طریقے مختلف انداز میں نصوص کی تاریخ ہی بتاتے ہیں کہ فلاں مقدم ہے' فلاں مؤخر۔"(۳۸)

معرفت نسخ کے غیر صحیح طریقے

نسخ اور عدم نسخ' قرآن حکیم کا ایک اہم موضوع ہے۔ اس پر قلم اٹھاتے ہوئے ہر ممکن احتیاط برتی جاتی ہے۔ کسی آیت پر ناسخ یا منسوخ کا حکم لگانے سے پیشتر ان تمام امور پر غور کیا جاتا ہے جو مسئلہ نسخ میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور کوشش کی جاتی ہے کہ متعارض اور متضاد آیات میں جمع وتوفیق کی کوئی صورت نکل سکے اور نسخ سے دامن بچایا جاسکے یہی وجہ ہے کہ جن علماء نے ان شرائط اور قیود کی پابندی کی ہے ان کے ہاں منسوخ آیات کی تعداد بہت ہی کم رہی ہے۔

علماء نے نسخ کے کچھ غیر صحیح طریقوں کی نشاندہی بھی کی ہے اور ان کے استعمال پر پابندی عائد کی ہے۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

۱ کسی صحابی کا یہ کہنا کہ فلاں آیت ناسخ اور فلاں آیت منسوخ ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بات انہوں نے اپنے اجتہاد سے کہی ہو۔

۲ نسخ کے معاملے میں کسی مجتہد کا اجتہاد' جو بغیر کسی سند کے ہم تک پہنچا ہو۔ علامہ زرقانی نے تصریح کی ہے کہ اس مسئلے میں اجتہاد حجت نہیں ہے۔

۳ کسی مفسر کا دلیل کے بغیر یہ کہنا کہ یہ ناسخ ہے اور یہ منسوخ۔

۴ مصحف میں ایک آیت کا دوسری آیت سے پہلے ثبت ہونا' کیونکہ مصحف میں آیات کی ترتیب (تلاوت) نزول کی ترتیب سے مختلف ہے۔

۵ مسئلہ نسخ میں وارد شدہ روایات کے راویوں میں سے ایک راوی کا دوسرے راوی سے عمر میں کم ہونا۔ کیونکہ یہ اس بات کی قطعی دلیل نہیں ہے کہ اس کم عمر راوی کی روایت یقیناً بعد کے دور کی ہوگی اور وہی ناسخ ہوگی۔

۶ ایک راوی کا دوسرے راوی کے بعد اسلام لانا کیونکہ ممکن ہے کہ جو راوی پہلے مسلمان ہوا ہو اس کی روایت بعد کے دور کی ہو اور منسوخ ہونے کے بجائے وہی ناسخ ہو۔

۷ ایک راوی کی صحبت کا منقطع ہونا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جس راوی کی صحبت منقطع نہیں ہوئی

اس کی روایت پہلے دور کی ہو اور وہی منسوخ ہو۔

۸ کسی نص کا عقل کے موافق ہونا۔ کیونکہ جو نص عقل کے موافق نہیں اس میں یہ امکان ہے کہ وہی مؤخر ہو اور وہی ناسخ ہو۔ (۳۹)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحریروں میں اگرچہ نسخ کے غیر صحیح طریقے مفصل بیان نہیں کئے لیکن دو اہم اور کثیر الوقوع صورتیں بیان کی ہیں، جن سے اس مسئلے پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ذیل میں ہم ان دونوں صورتوں کا ملخص پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ اگر کوئی صحابی یہ کہے کہ:

"نزلت هذه الاية فی كذا۔"

یہ آیت فلاں مسئلے کے بارے میں نازل ہوئی۔"

تو اس کا یہ کہنا اثبات نسخ کے لئے کافی نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے یہ بات اپنے اجتہاد سے کہی ہو اور مقصود اس آیت کا سبب نزول بیان کرنا نہ ہو بلکہ یہ ہو کہ اس آیت کا ایک مصداق یہ مسئلہ بھی بن سکتا ہے۔ تاہم اگر کوئی صحابی یہ کہے کہ:

"الاية الاولى نزلت يوم كذا والثانية يوم كذا۔"

"پہلی آیت فلاں دن اور دوسری آیت فلاں دن نازل ہوئی۔"

تو اس کا یہ قول اثبات نسخ کے لئے کافی ہو گا۔ (۴۰)

ڈاکٹر مظہر بقا لکھتے ہیں۔

"شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں صورتوں میں فرق اس لئے کیا ہے کہ دوسری صورت صحابی کی روایت کی صورت ہے اور باتفاق امت کوئی صحابی اپنی روایت میں جھوٹا نہیں ہوتا۔ لیکن پہلی صورت میں اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ صحابی کی روایت نہ ہو بلکہ اجتہاد ہو اور یہ ضروری نہیں کہ صحابی کا ہر اجتہاد صحیح ہو۔" (۴۱)

اس بحث کا حاصل یہ نکلا کہ نسخ کے باب میں اگر کسی صحابی کی کوئی روایت موجود ہو تو اس سے نسخ ثابت ہو جائے گا اور اگر اس کا کوئی اجتہاد یا استنباط منقول ہو تو اس سے قطعی طور پر نسخ ثابت نہیں ہو گا۔

۲۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دوسری صورت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وقول الفقهاء لما يجدونه خلاف عمل مشائخهم منسوخ غير مقنع۔" (۴۲)

"فقہاء کا (کسی نص کو) اپنے مشائخ کے عمل کے خلاف پاکر یہ کہنا کہ یہ منسوخ ہے (اثبات

نسخ کے لئے) کافی نہیں ہے۔"

النسخ فی القرآن

قرآن کی آیات میں نسخ کے وقوع پر دور نبوت ہی میں بحث اور غور وخوض کا آغاز ہو گیا تھا۔ صحابہ کرام' اور تابعین عظام کی علمی محافل میں علوم القرآن پر جتنی بحثیں ہوتی تھیں ان سب میں نسخ کی بحث سب سے زیادہ اہم سمجھی جاتی تھی کیونکہ اسی پر احکام کے نفاذ اور عدم نفاذ کا دارومدار ہے۔

قرن اول کے بعد مستند اور ثقہ راویوں کی ایک اچھی خاصی تعداد نے ان اقوال و آثار کی تلاش کا کام شروع کر دیا تھا جن سے مسئلہ نسخ پر روشنی پڑتی تھی کہ کونسی آیات پہلے نازل ہوئیں اور کونسی بعد میں۔ کیونکہ جب دو متعارض اور متضاد احکام والی آیات کے نزول کا زمانہ متعین ہو جاتا ہے تو بعد والی آیت کو ناسخ قرار دے کر پہلی آیت کو بآسانی منسوخ ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ بحث و تمحیص اور تلاش و تتبع کا یہ کام دوسری صدی ہجری میں انتہائی منظم خطوط پر استوار ہوا۔ حفاظ حدیث نے ناسخ ومنسوخ کے موضوع پر تصنیف و تالیف کی طرح ڈالی اور تقریباً تیرھویں صدی کے اختتام تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ اس بحث میں حصہ لینے والوں میں تقریباً ہر مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے آئمہ اور علماء شامل ہیں۔ حضرات امام ابو حنیفہ' امام شافعی' امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ان کے تلامذہ کے علاوہ معتزلہ نے بھی اس بحث میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ مفسرین' محدثین اور فقہاء کے علاوہ نحو اور ادب کے آئمہ نے بھی اس موضوع پر اپنے اپنے موقف کی وضاحت کی ہے۔ اس موضوع پر جن لوگوں نے قلم اٹھایا ہے ان میں سے چند ایک کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔	قتادہ بن دعامہ' تابعی	المتوفی ۱۱۸ ہجری
۲۔	ابن واقد المروزی	۱۵۷ ہجری
۳۔	حضرت امام شافعی	۲۰۴ ہجری
۴۔	ابو عبید قاسم بن سلام	۲۲۲ ہجری
۵۔	ابو داود سجستانی (صاحب السنن)	۲۷۵ ہجری
۶۔	ابن الانباری	۳۲۸ ہجری
۷۔	ابو جعفر نحاس	۳۳۸ ہجری
۸۔	ابن حزم	۴۵۶ ہجری
۹۔	ابن ہلال' نحوی	۵۲۰ ہجری

۱۰۔	ابوبکر ابن العربی	۵۴۶ ہجری
۱۱۔	ابن جوزی	۵۹۷ ہجری
۱۲۔	برہان الدین ناجی	۹۰۰ ہجری
۱۳۔	ڈاکٹر مصطفیٰ زید	(۴۳۔الف)

رحمھم اللّٰہ تعالی

مؤخر الذکر نے اس موضوع پر نہایت مفصل اور جامع کتاب تصنیف کی ہے جس میں نسخ کے اثبات کے ساتھ ساتھ اس کے تمام متعلقات پر نہایت عمدہ بحث کی گئی ہے۔ (۴۳۔ب)

قرآن کی آیاتِ منسوخہ کی تعداد

قرآن کی منسوخ ہو جانے والی آیات کی تعداد ہر زمانے میں مختلف فیہ رہی ہے۔ متقدمین نے یہ تعداد پانسو تک پہنچائی ہے' جب کہ متاخرین میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیس آیات اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ آیات کو منسوخ قرار دیا ہے۔ اس اختلاف کی ایک وجہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کی ہے۔

"بالجملہ در آثارے کہ مبنیٔ نسخ اند غمر بسیار است و بغور رسیدن دشوار است" (۴۴)

"ان آثار واقوال میں' جو نسخ کی بنیاد ہیں' بہت پیچیدگی ہے اور ان کی تہہ تک پہنچنا بہت ہی مشکل ہے۔"

انہوں نے ایک اور مقام پر اس اختلاف کی دوسری وجہ یوں بیان کی ہے۔

"(منھا) اختلافھم فی النسخ' والحق عندی ان ذالک باجتھاد واستنباط۔" (۴۵)

"اہل علم کا نسخ میں اختلاف' میرے نزدیک اس کی حقیقی وجہ ان کا اجتہاد اور استنباط ہے۔"

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ علماء ناسخ و منسوخ کا فیصلہ مختلف آثار و قرائن کو دیکھ کر اپنے اجتہاد اور استنباط سے کرتے ہیں جس سے آیات منسوخہ کا اختلاف وسعت اختیار کر جاتا ہے۔ ضروری نہیں کہ مجتہد کا ہر اجتہاد سو فیصد درست اور صحیح ہو۔ کسی صاحب علم نے اپنے اجتہاد سے ایک آیت کو منسوخ قرار دیا تو کسی دوسرے عالم نے اس کے اجتہاد کی خامی تلاش کر کے نسخ کی تغلیط کر دی۔ جن مسائل میں یہ صورتحال پیدا ہو جائے ان میں اختلاف وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے' اپنے اجتہاد سے کسی آیت کو منسوخ قرار دینے کی ایک دلچسپ مثال بیان کی ہے' موصوف رقمطراز ہیں۔

"ہبۃ اللہ بن سلامہ الضریر نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا ویتیما واسیرا۔" (سورۃ الدھر ۸/۷۶) میں سے "واسیرا" کا لفظ منسوخ ہو گیا ہے اس سے مشرکین کا اسیر (جنگی قیدی) مراد ہے اس کے بعد ہبۃ اللہ کے سامنے قرآن کی تلاوت کی گئی اس موقع پر اس کی بیٹی بھی موجود تھی' جب قاری اس مقام پر پہنچا تو بیٹی نے کہا' بابا جان! آپ کا قول غلط تھا۔ ہبۃ اللہ نے پوچھا وہ کیونکر؟ لڑکی نے جواب دیا' تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ جنگی قیدی کو کھانا کھلانا چاہیئے' اسے بھوکا مارنا جائز نہیں ہے۔ ہبۃ اللہ نے یہ جواب سن کر کہا: "تو سچ کہتی ہے۔" (۴۶)

انکارِ نسخ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آیات منسوخہ کی تعداد پانچ تک محدود رکھی ہے لیکن ماضی میں ایک مکتب فکر یہ بھی رہا ہے کہ قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ یہ مسلک ایک معتزلی عالم ابو مسلم اصفہانی (متوفی ۳۲۲ھ) کی طرف منسوب ہے۔ لیکن علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ جسے ہم نسخ کہتے ہیں ابو مسلمؒ اس کے منکر نہیں ہیں بلکہ وہ اسے نسخ کے بجائے تخصیص کا نام دیتے ہیں (۴۷) اس توجیہ کی بنا پر قرآن میں نسخ اور عدم نسخ کا اختلاف محض نزاع لفظی رہ جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا خیال ہے کہ وہ بھی قرآن میں نسخ کے قائل نہیں تھے۔ لیکن اس مصلحت کی بنا پر کہ لوگ انہیں معتزلہ میں شمار کر کے ان کی بات سے روگردانی نہ کرنے لگیں انہوں نے یہ حکیمانہ اسلوب اختیار کیا کہ پانچ آیتوں میں نسخ کا اقرار کر لیا (۴۸) ۔ مولانا سندھیؒ کا یہ خیال درست نہیں ہے۔ ڈاکٹر مظہر بقا ان کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اصل یہ ہے کہ مولانا سندھیؒ قرآن میں نسخ کے قائل نہیں اور چونکہ ان کی مستقل عادت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کے سانچے میں ڈھالنے کی بجائے خود شاہ صاحبؒ کو اپنے افکار کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے نسخ کے بارے میں بھی انہوں نے شاہ صاحبؒ کی طرف وہ بات منسوب کر دی جو دراصل ان کا اپنا خیال ہے اور اس اعتراض سے بچنے کے لئے کہ اگر شاہ صاحبؒ نسخ کے قائل

نہیں تو انہوں نے پانچ آیتیں منسوخ کیوں مانیں' یہ کہہ دیا کہ اعتزال کے الزام سے اپنا دامن بچانے کے لئے انہوں نے یہ حکیمانہ اسلوب اختیار کیا تھا۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے آپ کو' اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ مولانا سندھیؒ نے شاہ صاحبؒ کو اس طرح اعتزال کے الزام سے تو بچا لیا لیکن یہ نہیں سوچا کہ جس اسلوب کو وہ حکیمانہ اسلوب سے تعبیر کر رہے ہیں اسی کا دوسرا نام "تقیہ" ہے جس کی مذمت میں شاہ صاحبؒ نے کئی صفحات سیاہ کئے ہیں۔ اس طرح مولانا سندھیؒ نے شاہ صاحبؒ کو نظراً معتزلی بنا دیا اور عملاً تقیہ شعار۔" (۴۹)

مولانا محمد حنیف ندویؒ نسخ کی چند شرطیں بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"ان شرائط کو ملحوظ نہ رکھنے سے افراط و تفریط کا عمل دخل ہوا۔ یعنی ایک طرف دعوی کیا گیا کہ قرآن حکیم سرے سے نسخ کے مفہوم سے آشنا ہی نہیں ہوا' اور دوسری طرف نسخ کے دائرے کو پانچ صد آیات تک وسیع کر دیا گیا۔ جن لوگوں نے افراط سے کام لیا' انہوں نے تعمیم و تخصیص' اجمال و تشریح اور زبانی تقدم و تاخر کے ادنی اختلاف کو تناقض قرار دے کر اس پر نسخ کا فتوی لگا دیا جو لوگ تفریط کے مرتکب ہوئے انہوں نے اس سلسلے میں احادیث و آثار اور اسلامی تاریخ میں تغیر و تاویل کے تقاضوں کو یکسر فراموش کر دیا۔" (۵۰)

آیات منسوخہ کی تعداد پانچ سے پانچ سو تک بیان کی جاتی ہے اور ایک گروہ سرے سے نسخ کا قائل ہی نہیں ہے ان اختلافات کو مولانا ندویؒ کی طرح چند دوسرے اہل علم نے بھی افراط و تفریط سے تعبیر کیا ہے لیکن یہ سوچ درست نہیں ہے' کیونکہ یہ لوگ نسخ کا اصطلاحی مفہوم مدنظر رکھتے ہوئے جب متقدمین کی پانسو آیات کو دیکھتے ہیں تو انہیں یہ کثرت تعداد افراط محسوس ہوتی ہے حالانکہ ن آیات کو متقدمین کی تعریف نسخ کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔ اس تناظر میں یہ تعداد اگر پانسو سے بڑھ بھی جائے تو اسے افراط ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ دوسری طرف آیات منسوخہ کی ایک قلیل سی تعداد (یا ابو مسلمؒ کے مسلک کو بھی) تفریط سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بقول مفتی محمد شفیع مرحوم۔

"احکام میں اصل بقاء حکم ہے' نسخ خلاف اصل ہے۔" (۵۱)

لہٰذا جن دو آیات میں بظاہر تضاد اور تناقض محسوس ہوتا تھا حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس تضاد اور تناقض کو رفع کر کے دونوں آیتوں میں تطبیق کی راہ کھول دی ہے اور جن آیات میں حقیقی تضاد تھا اور جمع کی کوئی صورت نہیں نکلتی تھی صرف انہیں منسوخ قرار دیا ہے جو (بقول شاہ صاحبؒ) پانچ آیات سے زیادہ نہیں ہیں۔ اگر بالفرض ان پانچ آیات میں بھی جمع و توفیق کی کوئی صورت پیدا ہو سکے

تو اس سے مسئلہ نسخ قرآن قطعاً متاثر نہیں ہو گا اور نہ اسے تفریط کا نام دیا جا سکے گا۔ علامہ سبکیؒ نے ابو مسلمؒ کے مسلک کی جو توجیہ کی ہے اس کی روشنی میں نسخ اور عدم نسخ کسی پر بھی افراط و تفریط کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔

واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

آیاتِ منسوخہ

علامہ سیوطیؒ نے "الاتقان" میں منسوخ شدہ آیات پر مفصل بحث کی ہے۔ انہوں نے علامہ ابن عربیؒ کی موافقت کرتے ہوئے پہلے تو اکیس آیات کے نسخ کا قول کیا ہے۔ پھر دو آیتوں (آیت استیذان اور آیت قسمت) کے بارے میں کہا ہے کہ یہ منسوخ نہیں' بلکہ محکم ہیں' پھر باقی ماندہ انیس آیتوں میں ایک اور آیت "فاینما تولوا فثم وجه اللّٰه۔"[۵۲] کا اضافہ کیا ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک منسوخ ہے۔ اس طرح انہوں نے بیس آیات کو منسوخ ٹھہرایا ہے اور یہ تصریح بھی کی ہے کہ ان آیات کے علاوہ قرآن حکیم کی باقی آیتوں میں نسخ کا دعوی کرنا صحیح نہیں ہے۔[۵۳]

شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک مذکورہ بالا بیس آیات میں سے پندرہ آیتیں محل نظر ہیں۔ انہوں نے "الفوز الکبیر" میں ابن عربی کی بیان کردہ آیتوں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور پانچ کے سوا باقی تمام آیات کی ایسی توجیہات کی ہیں جن کی رو سے وہ منسوخ نہیں رہتیں۔ ذیل میں ہم صرف انہیں پانچ آیتوں پر بحث کرتے ہیں جنہیں شاہ صاحبؒ نے منسوخ قرار دیا ہے۔

پہلی آیت

"کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیران الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین ○"[۵۴]

"جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آن پہنچے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو تو والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں دستور کے مطابق وصیت کرنا فرض ہے' یہ حکم پرہیز گاروں پر لازم ہے۔"

اس آیت میں والدین اور اقرباء کی وراثت کے لئے وصیت کا حکم اس عبوری دور کے لیے دیا گیا تھا جب اسلامی معاشرہ اپنے استحکام کو نہیں پہنچا تھا۔ اس وقت ہر شخص پر فرض تھا کہ وہ وصیت

کر کے اپنے وارثوں کے حصے مقرر کر جائے تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔ غزوۂ احد کے بعد جب سورۃ نساء نازل ہوئی تو اس میں تقسیم وراثت کا ضابطہ اور قانون۔

"یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔" (۵۵)

اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے------ الخ

کی شکل میں نازل ہوا۔ اس قانون وراثت نے پہلے حکم (وارثوں کے لئے وصیت) کو منسوخ کیا ہے یا نہیں؟ اس موضوع پر علماء کے درمیان جو بحث ہوئی ہے اس کا حاصل درج ذیل ہے۔

(الف) جمہور علماء کے نزدیک آیت میراث نے آیت وصیت کو منسوخ کر دیا ہے۔ (۵۶)

(ب) شاہ صاحبؒ بھی اس مقام پر نسخ کے قائل ہیں۔ (۵۷)

(ج) ناسخ کے بارے میں تین اقوال منقول ہیں۔

۱۔ آیت میراث ۲۔ حدیث "لا وصیۃ لوارث" ۳۔ اجماع (۵۸)

(د) امام رازیؒ نے چوتھا قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ آیت قیاس سے منسوخ ہے پھر خود ہی اس کی تردید کی ہے کہ قرآن قیاس سے منسوخ نہیں ہوتا۔ (۵۹)

(ھ) شاہ صاحبؒ نے آیت میراث کو ناسخ قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ حدیث "لا وصیۃ لوارث" میں اسی نسخ کا بیان ہے خود یہ حدیث ناسخ نہیں ہے۔ (۶۰)

(و) امام بزدویؒ بھی آیت وصیت کو (اس حدیث سے نہیں بلکہ) آیت میراث سے منسوخ مانتے ہیں۔ (۶۱)

(ز) شمس الائمہ سرخسیؒ کہتے ہیں کہ آیت وصیت، حدیث "لا وصیۃ لوارث" سے منسوخ ہے نہ کہ آیت میراث سے، کیونکہ نسخ کے لئے دونوں حکموں میں منافات ضروری ہے جبکہ آیت وصیت اور آیت میراث میں کوئی منافات نہیں ہے (۶۲۔الف) علامہ قرطبیؒ کا میلان بھی اسی قول کی طرف ہے۔ موصوف لکھتے ہیں

"--- فنسخ الایۃ انما کان بالسنۃ الثابتۃ لا بالارث، علی الصحیح من اقوال العلماء۔" (۶۲۔ب)

علماء کے اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ آیت (وصیت) سنت ثابتہ (حدیث: لا وصیۃ لوارث) سے منسوخ ہے نہ کہ آیت میراث سے۔

(ح) ابو مسلم اصفہانیؒ کے نزدیک آیت میراث، آیت وصیت کی ناسخ نہیں بلکہ مخصص ہے۔ آیت

وصیت کا حکم والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے ایک عمومی حکم تھا۔ آیت میراث نے والدین اور چند قریبی رشتہ داروں کے حصے مقرر کر دیئے ہیں۔ اس تعیین سے آیت وصیت کا عمومی حکم اب ان رشتہ داروں کے لئے مخصوص ہوگیا ہے جن کے حصے مقرر نہیں کئے گئے۔ بالفاظ دیگر جن رشتہ داروں کے حصے مقرر کئے گئے ہیں ان کے حق میں وصیت کا حکم منسوخ ہوگیا ہے اور جن کے حصے مقرر نہیں ہوئے ان کے لئے وصیت کا حکم باقی ہے۔ گویا آیت وصیت مکمل منسوخ نہیں ہوئی بلکہ اس کی صرف ایک شق منسوخ ہوئی ہے اور دوسری شق بدستور باقی ہے۔ جس پر خیر القرون سے لے کر اب تک عمل کیا جارہا ہے اور کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔

(ط) امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر میں ابو مسلمؒ کے نظریئے کی مفصل تشریح اور توضیح کی ہے (۶۳) ابن جریرؒ اور قاضی بیضاویؒ نے آیت وصیت کے غیر منسوخ ہونے پر مختلف اہل علم کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ ان سے بھی ابو مسلمؒ کی تائید ہوتی ہے۔

(ی) علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن، مسروق، طاؤس، ضحاک، مسلم بن یسار، علاء بن زیاد، سعید بن جبیر، ربیع بن انس، قتادہ اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ بھی آیت وصیت کی یہی توجیہ کرتے ہیں (۶۴۔الف) علامہ قرطبیؒ نے بھی ضحاک، طاؤس اور حسن رحمہم اللہ سے یہی قول نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ مفسر ابن جریر طبریؒ نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے (۶۴۔ب)۔

(ک) مولانا عبید اللہ سندھی لکھتے ہیں:

"میری والدہ غیر مسلمہ تھیں اور میرے ساتھ ہی رہتی تھیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں سخت بیمار ہوگیا اور مجھے یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر میں مرگیا تو اس بیچاری کو کوئی نہیں پوچھے گا۔ اس وقت جو اس کی اتنی تواضع کی جاتی ہے وہ محض میری وجہ سے ہے۔ میرے مرتے ہی یہ بیچاری اس توجہ سے محروم ہو جائے گی۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ آیت: "کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت" میں وصیت کا کیا مطلب ہے۔ اور اگر کسی کو اس طرح کے حالات پیش آئیں تو واقعی اس کے لئے وصیت کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میرے نزدیک اس آیت پر عمل کرنے کی ایک صورت نکل آئی۔ اس لئے میں اس آیت کو منسوخ قرار دینے کی اب ضرورت نہیں سمجھتا۔" (۶۵)

مولانا سندھیؒ کے اس خیال پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر مظہر بقا لکھتے ہیں۔

"مولانا سندھیؒ نے اس توجیہ کو اپنے فکر اور تجربہ کا نتیجہ بتایا ہے۔ حالانکہ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں منجملہ دیگر توجیہات کے ایک توجیہ یہ بھی بعینہ نقل کی ہے۔ جیسا کہ معلوم ہوچکا۔ مولانا سندھیؒ کی توجیہ جب بعینہ تفسیر کبیر میں موجود ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے اسے اپنی طرف کیسے منسوب کر لیا؟

یہ بات بھی نہیں کہ امام رازیؒ کی تفسیر مولاناؒ کی نظر سے نہ گزری ہو۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے میں امام رازیؒ کی تفسیر کا مطالعہ کرکے کافی پریشان ہوچکا تھا۔" (۶۶)

(مزید تفصیلات کے لئے، مولانا سندھیؒ کی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ" اور ڈاکٹر مظہر بقا کی کتاب "اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ" کی طرف رجوع کریں۔)

(ل) ابو مسلمؒ کی رائے میں وزن ہے کیونکہ نسخ ہمیشہ ان دو احکام میں ہوتا ہے جن میں حقیقی تضاد اور منافات ہو کہ دونوں پر بیک وقت عمل نہ ہوسکے۔ آیت وصیت اور آیت میراث میں یہ تضاد نہیں پایا جاتا کیونکہ آیت میراث میں بار بار یہ فرمایا گیا ہے۔ "من بعد وصیة" (۶۷) یعنی ورثاء میں وہ مال اور جائیداد تقسیم کی جائے جو وصیت پر عمل درآمد کرنے کے بعد باقی بچ جائے۔ لہٰذا وصیت کی تاکید کرنے والی آیت میراث اصل آیت وصیت کو کیونکر منسوخ کر سکتی ہے؟

(م) سورۃ مائدۃ، سورۃ نساء کے بعد اور رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک کے آخری حصے میں نازل ہوئی تھی۔ اس سورۃ کی آیت نمبر ۱۰۶ میں وصیت کے حکم کو بدستور باقی رکھا گیا ہے۔ اگر سورۃ بقرۃ کی آیت وصیت، سورہ نساء کی آیت میراث سے منسوخ ہوگئی تھی تو سورۃ مائدہ میں اس کی تاکید کی کیا ضرورت تھی؟

(ن) ان دلائل اور شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت وصیت مکمل طور پر منسوخ نہیں ہوئی بلکہ اس کی صرف ایک شق اٹھی ہے اور دوسری شق بدستور باقی ہے۔

(س) آیت وصیت کا جو حصہ منسوخ نہیں ہوا اس کی رو سے ہر شخص اپنے مال اور جائیداد کے بارے میں ان ورثاء کے حق میں وصیت کر سکتا ہے جن کا آیت میراث کی رو سے کوئی حصہ مقرر نہیں ہے۔ اگر اس پر عمل ہونے لگے تو ان یتیم پوتوں اور نواسوں کی میراث کا مسئلہ خوش اسلوبی سے طے ہوسکتا ہے جن کے لئے عائلی قوانین میں حصہ مقرر کر کے قانون وراثت کو مجروح کیا گیا ہے۔

(ع) اس مقام پر یہ بات بھی مدنظر رہے کہ آیت میراث کے نزول سے قبل آیت وصیت کی رو

سے ہر مسلمان کے لئے وصیت کرنا فرض تھا۔ آیت میراث کے نزول کے بعد وصیت کی فرضیت اور تاکید ورثاء اور غیرورثاء دونوں کے حق میں ختم ہوگئی ہے۔ اب اس کا صرف استحباب باقی ہے اور وہ بھی غیرورثاء کے حق میں۔

(مزید تفصیلات کے لئے علم فقہ اور کتب میراث کی طرف رجوع کریں۔)

دوسری آیت

"یایھا النبی حرض المؤمنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائة یغلبوا الفا من الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھونO" (۶۸)

"اے نبی! مؤمنوں کو جہاد پر ابھارو' اگر تمہارے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تمہارے سو آدمی (ایسے) ہوں تو ایک ہزار کافروں پر بھاری رہیں گے کیونکہ کافر بصیرت سے محروم ہیں۔"

سورہ انفال غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئی تھی اس غزوہ میں مسلمانوں اور دشمنوں میں ایک اور تین کی نسبت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دفاع کو مضبوط بنانے کا حکم دیا اور پہلا حکم یہی نازل ہوا کہ ایک مسلمان کو دس کافروں کے مقابلے کے لئے تیار رہنا چاہیئے پھر اللہ تعالیٰ نے اس نسبت میں تخفیف کرتے ہوئے دوسرا حکم یوں نازل فرمایا۔

"الئن خفف اللّٰہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائة صابرة یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللّٰہ واللّٰہ مع الصّٰبرینO" (۶۹)

"اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا ہے اسے معلوم ہے کہ ابھی تم میں کمزوری پائی جاتی ہے پس اگر تمہارے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں تو دو سو پر اور ہزار آدمی (ایسے) ہوں تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آئیں گے اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس حکم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے پہلے حکم میں کافی تخفیف کردی ہے یعنی ایک اور دس کی نسبت کو ایک اور دو کی نسبت تک گھٹا دیا ہے اور اس کا سبب مسلمانوں میں پائی جانے والی کمزوری کو قرار دیا ہے یہاں یہ سوال ابھرتا ہے کہ کیا پہلا حکم اب بھی باقی ہے یا ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا ہے۔

(الف) جمہور علماء کے نزدیک اس دوسری آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کردیا ہے اگرچہ شاہ ولی اللہؒ

بھی اس آیت میں نسخ کے قائل ہیں جیسا کہ انہوں نے "الفوز الکبیر" میں اس کی تصریح کی ہے (۷۰-الف) لیکن یہ بات بھی مدنظر رہے کہ انہوں نے "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اسے "تخفیف" سے تعبیر کیا ہے (۷۰-ب) گویا ان کے نزدیک بھی اس مقام پر نسخ یقینی نہیں ہے۔

(ب) علامہ قرطبیؒ کا میلان بھی نسخ کے بجائے تخفیف کی طرف ہے موصوف لکھتے ہیں۔

"وحدیث ابن عباس یدل علی ان ذالک فرض ثم لما شق ذلک علیهم حط الفرض الی ثبوت الواحد للاثنین فخفف عنهم وکتب علیهم الا یفر مائة من مائتین فهو علی هذا القول تخفیف لا نسخ وهذا حسن۔" (۷۱)

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث (جسے علامہ قرطبیؒ نے چند سطریں پہلے لکھا ہے) یہ بتاتی ہے کہ یہ (ایک اور دس کی) نسبت فرض ہے پھر جب مسلمانوں پر یہ نسبت شاق گزری تو اسے کم کر کے ایک مسلمان کو دو کافروں کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کا حکم دیا گیا اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمائی اور مسلمانوں کے لئے لازم قرار دیا کہ ان کے ایک سو افراد دو سو کافروں کے مقابلے سے منہ نہ موڑیں اس قول کی رو سے یہ "تخفیف" ہے "نسخ" نہیں ہے اور یہ (توجیہ) بہت اچھی ہے۔

(ج) ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ ان آیات میں نسخ کے قائل نہیں ہیں۔ انہوں نے ان دونوں آیات میں تطبیق کی صورت پیدا کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"دونوں آیات میں نسخ کا احتمال نہیں ہے کیونکہ دوسری آیت میں وضاحت کردی گئی ہے کہ اب مسلمانوں میں ضعف آچکا ہے اس لئے سو آدمی دو سو کے مقابلہ میں کافی ہیں۔ پہلی آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تم بیس ہی ثابت قدم رہنے والے ہو تو دو سو کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر تم سو ہو تو ایک ہزار کفار کے مقابلہ پر آمادہ ہو جاؤ۔ دوسری آیت میں چونکہ یہ علت واضح کی گئی کہ مسلمانوں میں ضعف آگیا ہے اس لئے وہاں سو آدمیوں کو دو سو کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ پس دونوں آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ یہ مختلف وقتوں کے احکام ہیں کہ اگر قوت پہلے کی طرح ہو تو بیس دو سو کا مقابلہ کریں اور اگر مسلمانوں کی قوت کم ہو تو سو دو سو کا مقابلہ کریں گویا پہلی آیت میں مسلمانوں سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے سے دس گنا فوج کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور دوسری آیت میں رخصت دی گئی ہے اور یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ ضعف کی حالت میں بھی کم از کم دو سو کا مقابلہ تو کرنا چاہئے پہلی آیت "عزیمت" پر دلالت کرتی ہے اور دوسری

"رخصت" پر، پس کوئی نہیں کہہ سکتا کہ رخصت نے عزیمت کو منسوخ کر دیا۔ اور پھر اس وقت تو نسخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب آیات قوت اور ضعف کے حالات کے ساتھ مشروط ہوں جس طرح پانی نہ ہونے کی مجبوریوں میں اللہ تعالیٰ نے تیمم کی رخصت دی ہے اسی طرح قوت نہ ہونے کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے رخصت دی ہے۔ پس جس طرح یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیت تیمم نے آیت وضو کو منسوخ کر دیا ہے اسی طرح یہاں بھی نسخ کا سوال نہیں اٹھایا جا سکتا۔" (۷۲)

(د) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی اس توجیہ کو نقل کرنے کے بعد اس کی تحسین بھی کی ہے لیکن اس انداز سے کہ ان کے دامن پر داغ نہ آنے پائے موصوف لکھتے ہیں۔

"واقول ان ثبت اجماع الامة على الاطلاق قبل ابى مسلم على حصول هذا النسخ فلا كلام عليه فان لم يحصل هذا الاجماع القاطع فنقول قول ابى مسلم صحيح حسن۔" (۷۳)

"میں کہتا ہوں کہ اگر ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے اس نسخ کے بارے میں امت کا مطلقاً اجماع منعقد ہو چکا ہو تو پھر اس باب میں بحث کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور اگر یہ فیصلہ کن اجماع قائم نہیں ہوا تو ہم یہ کہیں گے کہ ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا (عدم نسخ کا) قول صحیح اور خوب ہے۔"

(ھ) حقیقت یہ ہے کہ پہلی آیت کا تعلق قوت اور دوسری کا ضعف سے ہے اس توجیہ کی رو سے دونوں آیتوں میں منافات نہیں رہی اور جہاں منافات نہ ہو وہاں نسخ نہیں ہوتا۔

(و) غزوات نبوی میں غزوۂ حنین کے سوا ہر معرکہ میں دشمن کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ رہی اور خلفاء راشدین کے دور میں ایران، عراق، شام اور مصر وغیرہ کے محاذوں پر دشمنوں کی نفری مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ ہوتی تھی حتیٰ کہ ایک اور دس کی نسبت بھی قائم ہوتی رہی اور کبھی کبھار اس نسبت میں مزید اضافہ بھی ہوا لیکن نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ صحابہ کرام سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے ایک اور دس کی نسبت کو منسوخ قرار دیا ہو بلکہ دشمن کی کثیر تعداد کو دیکھ کر ان کی کیفیت یہ ہوتی تھی۔

"ولما را المؤمنون الاحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله وما زاد هم الا ايمانا وتسليما۔" (۷۴)

"جب مسلمانوں نے (دشمن کی) فوجیں دیکھیں تو کہنے لگے یہی (وہ آزمائش) ہے جس کا اللہ

اور اس کے رسول نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا تھا۔اللہ اور اس کے رسول کی بات سچ ثابت ہوئی اس سے ان کے ایمان اور جذبۂ اطاعت میں مزید اضافہ ہوگیا۔

(ز) اسلامی جہاد کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے سے دس گنا (یا اس سے بھی زیادہ) بڑے دشمن کو دیکھ کر کبھی راہ فرار اختیار نہیں کی بلکہ وہ اللہ کے بھروسے پر اٹھتے' اپنی تھوڑی سی جمعیت کو منظم کر کے کفر اور شرک کے ان مہیب پہاڑوں سے ٹکرا جاتے تھے اگر ان قدسی نفوس نے ایک اور دس کی نسبت کو منسوخ سمجھا ہوتا تو کبھی کبھار اس پر عمل کر کے میدان جہاد سے منہ موڑا ہوتا۔ کیا کوئی مؤرخ اس کا ثبوت پیش کر سکتا ہے؟ سرکار رسالتماب ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل اس بات کی مکمل وضاحت کر رہا ہے کہ ایک اور دس کی نسبت منسوخ نہیں ہوئی اور قائلین نسخ کے پاس سوائے اپنے اجتہاد اور استنباط کے کوئی نقلی دلیل نہیں ہے۔

تیسری آیت

"لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن من ازواج---" (۷۵)

"اس کے بعد آپ کے لئے دوسری عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ اس کی اجازت ہے کہ آپ ان کی جگہ اور بیویاں کر لیں۔"

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا حکم درج ذیل آیت سے منسوخ کر دیا گیا ہے۔

"یٰایھا النبی انا احللنا لک ازواجک التی اٰتیت اجورھن----" (۷۶)

"اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جن کے مہر آپ ادا کر چکے ہیں-----"

اگرچہ آیت ناسخہ' آیت منسوخہ سے (مصحف میں) پہلے درج ہے لیکن نزول میں اس سے مؤخر ہے اس لئے شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (۷۷)

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ بھی اس مقام پر نسخ کے قائل ہیں (۷۸)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"واختلف فی ان الایۃ الدالۃ علی عدم حل النساء لہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم ھل ھی محکمۃ ام لا؟ فعن ابی بن کعب وجماعۃ منھم الحسن وابن سیرین واختارہ الطبری واستظھرہ ابوحیان انھا محکمۃ وعن علی کرم اللّٰہ وجھہ وابن عباس وام

سلمة رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما والضحاک علیه الرحمة انها منسوخة وروی ذلک عن عائشة رضی اللّٰہ تعالٰی عنها---" (۷۹)

"جس آیت میں یہ حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے (موجودہ منکوحہ عورتوں کے علاوہ) دوسری عورتیں حلال نہیں ہیں اس میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ یہ محکم ہے یا نہیں (منسوخ ہے یا غیر منسوخ) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت کا جس میں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں یہ خیال ہے کہ یہ آیت محکم ہے (منسوخ نہیں ہے) مفسر طبری اور ابوحیان نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے اس کے برعکس حضرات علی، ابن عباس، ام سلمہ رضی اللہ عنہم اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی قول منقول ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی اس صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نسخ کے بارے میں صحابہ کرام ہی کے زمانہ میں دو رائیں تھیں لھذا اس مقام پر نسخ کا قول متفق علیہ نہیں بلکہ مختلف فیہ ہے اگرچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نسخ کو ترجیح دی ہے لیکن متعدد مفسرین کرام عدم نسخ کے قائل ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "بیان القرآن" میں اس مقام کی جس قدر تفسیر لکھی اور تشریح کی ہے اس سے ان کا میلان عدم نسخ کی طرف معلوم ہوتا ہے (۸۰)

مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں نسخ یقینی نہیں ہے بلکہ اس کی وہ تفسیر بھی بڑی حد تک بے تکلف اور سادہ ہے جو حافظ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کی ہے یعنی یہ کہ یہ دونوں آیتیں اپنی موجودہ ترتیب کے مطابق ہی نازل ہوئی ہیں۔

"یایها النبی انا احللنا لک ازواجک-------"الخ

والی آیت میں اللہ تعالٰی نے کچھ مخصوص عورتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ ان کے ساتھ نکاح آپ کے لئے حلال ہے پھر اگلی آیت۔

"لا یحل لک النساء من بعد"

میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان کے علاوہ دوسری عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں۔" (۸۱)

ابو مسلم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ سورہ احزاب کی مذکورہ بالا دونوں آیتوں (۵۰ اور ۵۲) کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"ان میں بھی نسخ تسلیم کرنا جائز نہیں کیونکہ پہلی آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ جو بیویاں آپ

کے گھر میں موجود ہیں وہ آپ پر حلال ہیں اور دوسری آیت میں آئندہ نکاح کرنے سے ممانعت کر دی گئی۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب تعدد ازواج کی اجازت دیتے وقت چار کی حد مقرر کر دی گئی تو دوسرے مسلمانوں نے' جن کے ہاں چار سے زائد بیویاں تھیں چار بیویاں قید نکاح میں رہنے دیں اور زائد کو طلاق دے دی۔ یہ مطلقہ عورتیں دوسرے مردوں کے ساتھ شادی کر سکتی تھیں اس لئے کوئی دشواری پیدا نہ ہوئی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے معاملہ میں یہ مشکل تھی کہ اگر آپ چار بیویوں کو رہنے دیتے اور باقی کو طلاق دے دیتے تو ان مطلقہ ازواج مطہرات کے ساتھ کوئی اور مسلمان شادی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ کتاب اللہ نے انہیں امہات المؤمنین (مسلمانوں کی مائیں) قرار دے دیا تھا۔ اس لئے نبی ﷺ کے معاملہ میں خصوصیت کے ساتھ یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ چار سے زائد ازواج مطہرات کے ساتھ کیا کیا جائے؟ اللہ تعالیٰ نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی! ہم نے تیرے لئے وہ بیویاں جائز کر دی ہیں جنہیں تو نے ان کے مہر ادا کئے۔ یعنی پہلے سے جو بیویاں موجود ہیں وہ حلال ہیں لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے آئندہ نکاح کرنے سے منع فرما دیا۔

"لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن من ازواج۔"

آیت کے آخری حصے پر غور کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر ایک ایسی پابندی عائد کی ہے جو دوسرے مسلمانوں پر نہیں - دوسرے مسلمان بیویاں تبدیل کر سکتے ہیں۔ یعنی اگر ایک شخص کے پاس چار بیویاں ہیں تو وہ یہ کر سکتا ہے کہ ان میں سے ایک کو جائز طریقہ سے طلاق دے دے اور اس کے بجائے کسی اور عورت سے نکاح کر لے لیکن نبی ﷺ کے لئے واضح حکم ہے'

"ولا ان تبدل بھن من ازواج۔"

اس حکم میں اس علت کی طرف صریح اشارہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ اس میں دراصل ازواج مطہرات کی رعایت ملحوظ رکھی گی ہے کیونکہ اگر انہیں طلاق دی جاتی تو وہ کسی اور مسلمان سے نکاح نہیں کر سکتی تھیں۔" (۸۲)

چوتھی آیت

"یٰایھا الذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقة" (۸۳)

"اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنا چاہو تو اس سے قبل کچھ صدقہ دو۔
شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق یہ آیت اپنے بعد والی اس آیت سے منسوخ ہے۔
"ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوٰکم صدقٰت۔" (۸۴)
"کیا تم اس سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے (کے حکم) سے ڈر گئے ہو؟"

مفسرین کرام نے پہلے حکم کا پس منظر یہ بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ سے خلوت میں بات کرنے کے لئے وقت مانگا کرتے تھے۔ آپ اپنے اخلاق کریمانہ کی بنا پر ان کی درخواست رد نہ فرماتے بلکہ قبول کرتے اور وقت عنایت کیا کرتے تھے۔ لوگوں کی درخواستیں بڑھتی چلی گئیں حتی کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ آپ کو ایسے معاملات میں بھی تکلیف دینے لگے جن میں علیحدگی میں بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی تھی یہ وہ زمانہ تھا جب مدینہ منورہ کی چھوٹی سی اسلامی ریاست کے خلاف تقریباً پورا عرب برسرپیکار تھا ان حالات میں بسااوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے خلوت میں بات کرنے کے لئے وقت مانگا تو مخالفین نے یہ بے پر کی اڑائی کہ یہ شخص فلاں قبیلے کے (مدینہ منورہ پر) حملہ آور ہونے کی خبر لایا تھا' اس طرح شہر میں افواہوں کا بازار گرم ہو جاتا تھا۔ مزید برآں منافقین کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کانوں کے ایسے کچے ہیں کہ ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مخالفین کا منہ بند کرنے کے لئے یہ حکم نازل فرمایا کہ جو شخص ہمارے رسول سے خلوت میں بات کرنا چاہے وہ پہلے صدقہ ادا کرے۔ اس حکم کو نازل کرنے کے مقاصد حسب ذیل تھے۔

(الف) مفلس ونادار لوگوں کی اعانت۔
(ب) صدقہ کرنے والوں کا تزکیۂ نفس۔
(ج) مخلص اور منافق کی پہچان۔
(د) خلوت میں بات کرنے والوں کی تعداد میں کمی' وغیرہ۔

مفسرین کرام نے صراحت کی ہے کہ اس حکم کے نزول کے بعد منافقوں نے مارے بخل کے خلوت میں بات کرنے کا تقاضا چھوڑ دیا اور مخلص مؤمن بھی سمجھ گئے کہ اس قسم کی درخواست کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ (۸۵)

رسول اللہ ﷺ سے خلوت میں بات کرنے والوں کے لئے صدقہ کا جو حکم نازل ہوا' یہ کتنی مدت تک نافذ رہا؟ اس سلسلے میں مفسرین کی مختلف رائیں منقول ہیں۔

۱ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ۔ "یہ حکم لمحہ بھر کے لئے تھا پھر منسوخ

ہوگیا۔"

۲ مفسر کلبی رحمۃ اللہ علیہ۔ "یہ حکم ایک دن (رات) کے لئے نازل ہوا تھا۔"

۳ مفسر مقاتل بن حیان۔ "یہ حکم دس دنوں تک نافذ رہا پھر منسوخ ہوگیا۔" (۸۶)

مفسرین کی اکثریت کہتی ہے کہ اس حکم پر عمل کرنے کی نوبت پیش نہیں آئی کیونکہ یہ حکم تھوڑی مدت تک رہا اس دوران کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت میں بات کرنے کا تقاضا نہیں کیا اس مدت کے اختتام پر دوسرا حکم نازل ہوا جس سے پہلا حکم منسوخ ہوگیا۔ بعض روایات میں یہ بھی منقول ہے کہ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس پہلے حکم پر عمل کیا تھا۔

علامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

"عن علی بن ابی طالب انه قال: فی کتاب اللّٰه آیة ما عمل بها احد قبلی ولا یعمل بها احد بعدی وهی: یٰایها الذین امنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقة۔ کان لی دینار فبعته' فکنت اذا ناجیت الرسول تصدقت بدرهمٍ حتی نفد فنسخت بالایة الاخری ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجواکم صدقٰت۔" (۸۷)

"حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ کی کتاب میں ایک ایسی آیت ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا نہ میرے بعد کوئی عمل کرے گا وہ آیت یہ ہے: یٰایها الذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرسول--- میرے پاس ایک دینار تھا میں نے اسے بھنا لیا' پھر جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت میں بات کرتا تو اس سے قبل ایک درھم کا صدقہ کیا کرتا تھا اس طرح پورا دینار خرچ ہوگیا۔ پھر یہ حکم ایک دوسری آیت: ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوٰکم صدٰقت۔ سے منسوخ ہوگیا۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ روایت نقل تو کی ہے لیکن اسے قبول کرنے میں انہیں تامل ہے کیونکہ ان کا نکتۂ نظر یہ ہے کہ یہ حکم عمل میں آنے سے پہلے ہی منسوخ ہوگیا تھا چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"وهذا یدل علی جواز النسخ قبل الفعل وما روی عن علی رضی اللّٰه عنه ضعیف' لان اللّٰه تعالٰی قال: فاذ لم تفعلوا' وهذا یدل علی ان احدا لم یتصدق بشیء واللّٰه اعلم" (۸۸)

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی حکم پر عمل کرنے سے پہلے اسے منسوخ کر دینا جائز ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو روایت بیان کی جاتی ہے وہ ضعیف ہے کیونکہ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا ہے: "فاذ لم تفعلوا" یعنی جب تم اس حکم پر عمل نہ کر سکو' اس سے تو یہی مترشح ہوتا ہے کہ کسی شخص نے کوئی صدقہ نہیں کیا تھا۔ واللہ اعلم۔

بہرکیف جمہور مفسرین دوسری آیت کو ناسخ قرار دے کر پہلی آیت کو منسوخ مانتے ہیں لیکن ابومسلم رحمۃ اللہ علیہ نسخ کے قائل نہیں ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ان کی توجیہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حکم کی ایک انتہا متعین تھی اور جب وہ انتہا آگئی تو یہ حکم خود بخود ختم ہوگیا اور اسے نسخ نہیں کہتے۔ امام موصوف اس توجیہ کو پسند کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وھذا الکلام حسن ما بہ بأس--" (۸۹)

"یہ کلام اچھا ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

جمہور مفسرین اور ابومسلم رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف' نزاع لفظی کے سوا کچھ نہیں ہے کیونکہ ابومسلم رحمۃ اللہ علیہ بھی اس حکم کے باقی رہنے کے قائل نہیں ہیں' دوسرے الفاظ میں اسی کو "نسخ" کہا جاتا ہے تعبیرات اگرچہ مختلف ہیں لیکن مآل دونوں کا ایک ہی ہے۔

عباراتنا شتی وحسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر

پانچویں آیت

"یٰایھا المزمل قم الیل الا قلیلا-----" (۹۰)

جمہور مفسرین اس آیت کو اسی سورت کی آخری آیت۔

"ان ربک یعلم انک تقوم ادنٰی من ثلثی الیل----" (۹۱)

سے منسوخ مانتے ہیں۔

پہلی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو رات کی عبادت کا حکم دیا ہے۔ پھر وقت کی تعیین کرتے ہوئے اسے آدھی رات تک محدود کیا ہے اور اس میں اتنی سہولت رکھی ہے کہ آپ چاہیں تو اس وقت میں تھوڑی سی کمی کر لیں یا کچھ مزید وقت بڑھالیں اور دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی عبادت شبانہ کا علم اللہ تعالیٰ کو بخوبی حاصل ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس گروہ میں مریض مسافر اور مجاہد بھی شامل ہیں جن پر تہجد کی پابندی دشوار ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے پہلے حکم میں تخفیف کر دی ہے کہ جس شخص سے جس قدر عبادت ہو سکے وہ کر لیا کرے۔ بعض روایات کی رو سے رات کی یہ عبادت (تہجد) آنحضرت ﷺ پر فرض

تھی۔ اگر کبھی آپ اسے اپنے وقت پر ادا نہ کر سکتے تو اس کی قضا کیا کرتے تھے۔ چند دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امت پر بھی شروع میں تہجد فرض تھی رسول اللہ ﷺ نے اس عبادت کو اتنی پابندی سے ادا کیا کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجایا کرتا تھا اور صحابہ کرام بھی بڑے اہتمام سے تہجد ادا کیا کرتے تھے۔ اس عبادت سے ان کی تربیت مقصود تھی یہ حکم دائمی نہیں تھا بلکہ ایک خاص مدت تک کے لئے تھا۔ جب وہ مدت پوری ہوگئی اور صحابہ کرام میں پختگی آگئی تو تہجد کی فرضیت کو منسوخ کر دیا گیا۔ تاہم اسے نفل اور استحباب کے درجے میں باقی رکھا گیا۔ ناسخ کے بارے میں قدرے اختلاف منقول ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ، مقاتل رحمہ اللہ اور ابن کیسان رحمہ اللہ کے اقوال کے مطابق تہجد کی فرضیت نماز پنجگانہ کی فرضیت سے منسوخ ہوئی ہے۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی ایک دوسری روایت اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی رو سے تہجد کی فرضیت سورہ المزمل کی آخری آیت سے منسوخ ہوئی ہے۔ (۹۲)

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ پہلی آیت کا حکم آخری آیت سے منسوخ ہوگیا پھر آخری آیت کے حکم کو نماز پنجگانہ کی فرضیت نے منسوخ کر دیا۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ نماز پنجگانہ سے آخری آیت کے حکم کو منسوخ ٹھہرانا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صحیح قول یہ ہے کہ سورہ المزمل کی ابتدائی آیات میں قیام لیل (تہجد کی نماز) کے مستحب ہونے کی تاکید کی گئی تھی اور آخری آیت سے صرف تاکید کو منسوخ کیا گیا ہے کیونکہ تہجد کا استحباب اب بھی باقی ہے۔ (۹۳)

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اس تصریح سے، ان آیات میں نسخ کا مسئلہ واضح ہوگیا ہے کیونکہ ان کا حکم کلی طور پر ختم نہیں ہوا بلکہ صرف ایک شق (تہجد کی فرضیت) منسوخ ہوئی ہے اور دوسری شق (تہجد کا استحباب) بدستور باقی ہے۔ ابو مسلم رحمہ اللہ اصفہانی کا مسلک بھی شاہ صاحب سے ملتا جلتا ہے وہ اس مقام کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"چونکہ ان آیات میں رفقاء کی تربیت مقصود ہے اس لئے رات کے زیادہ حصہ کے قیام پر زور دیا گیا ہے۔ دوسری آیات اس وقت کی ہیں جب تربیت کا مرحلہ گزر چکا تھا اس لئے انسانی معذوریوں کو مدنظر رکھ کر حکم میں تخفیف کر دی گئی۔ چونکہ دونوں آیات کے نزول کے وقت حالات مختلف تھے اس لئے دونوں آیات اپنی اپنی جگہ پر محکم ہیں۔ اگر آج بھی کسی کو اپنے رفقاء کی تربیت مقصود ہوگی تو وہ پہلی آیت پر عمل کرے گا۔ جب یہ مرحلہ طے ہو جائے گا تو دوسری آیت پر عمل ہوگا۔"

ابو مسلم رحمہ اللہ نے آگے چل کر مزید لکھا ہے۔

"پہلا حکم انفرادی ہے اور دوسرا حکم اجتماعی۔ کیونکہ وہاں'
"وطائفة من الذین معک۔" کے الفاظ آئے ہیں۔ پس پہلا حکم ایک خاص وقت تک کے لئے تھا وہ وقت گزر گیا تو حکم بھی ختم ہوگیا اور جب نبی ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کا گروہ بھی قیام شب میں شریک ہوا تو دوسرے احکام نازل ہوئے۔ آج بھی اگر کوئی انہی خطوط پر کام کرے گا تو وہ پہلے انفرادی حکم پر عمل کرے گا پھر اجتماعی پر' وگرنہ دوسرے حکم میں جو مصالح اور علل بیان ہوئی ہیں' یقیناً پہلا حکم دیتے وقت وہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیش نظر ہونگی۔ اصل وجوب قیام شب کا ہے اور وہ دونوں طرح برقرار ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ پہلے رات کے زیادہ حصہ میں قیام کا حکم تھا پھر اسے کم کر دیا گیا۔ اس کی علت یہ ہے کہ یہ حکم حسب استطاعت ہے۔ اس طرح دوسری آیت پہلی آیت کی تشریح وتوضیح کر رہی ہے اسے منسوخ نہیں کر رہی۔" (۹۴)

قول فیصل

مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نسخ قرآن کے موضوع پر اپنی تحقیق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اختلف العلماء فی احصاء ما نسخ من القرآن فاکثر منه القدماء لتوسعهم فی اطلاق النسخ علی تخصیص العام وعکسه وتقیید المطلق وعکسه والاستثناء وترکه ورفع الحکم بالکلیة وانتهاء ہ بانتهاء علته وما زال المتاخرون یسعون فی تقلیله حتی الشیخ جلال الدین السیوطی جعله نحو عشرین نسخا وزاد علیه فی التقلیل الشاہ ولی اللّٰہ الدهلوی حجة الهند ونابغتها فی الفوز الکبیر حتی حصرہ فی خمسة والشیخ رحمه اللّٰہ کان یقول : لا یکاد یوجد شیء فی القرآن المتلو منسوخا فی الحکم بحیث لا یبقی حکمه فی وجه من الوجوہ او محمل من المحامل بل لا جرم یوجد حکمه مشروعا فی مرتبة من المراتب وحال من الاحوال وزمان من الازمان--" (۹۵)

"قرآن حکیم میں جو آیات منسوخ ہوئی ہیں ان کے شمار میں علماء کے درمیان اختلاف ہے متقدمین کے نزدیک ایسی (منسوخ شدہ) آیات بکثرت ہیں کیونکہ ان کے ہاں نسخ کے مصداق میں بڑی وسعت ہے (مثلاً) عام کو خاص اور خاص کو عام ٹھہرانا' مطلق کو مقید اور مقید کو مطلق بنانا ایک حکم سے کبھی بعض افراد کو مستثنی قرار دینا اور کبھی انہیں بھی شامل کرنا' کسی حکم کو بالکل ختم کر دینا اور کسی حکم کے سبب (علت) کے اٹھ جانے پر اس

حکم کو بھی اٹھا دینا (ان تمام صورتوں کو متقدمین نسخ سے تعبیر کرتے ہیں) لیکن متاخرین کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ اس تعداد کو کم کیا جائے حتی کہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً بیس آیات کو منسوخ ٹھہرایا ہے اور حجۃ الاسلام اور نابغۂ ہندوستان شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں مزید کمی کی ہے انہوں نے الفوز الکبیر میں ان آیات (منسوخہ) کو پانچ میں محدود کر دیا ہے اور شیخ (محمد انور شاہ کشمیری) رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن متلو (جس کی تلاوت کی جاتی ہے) میں کوئی چیز ایسی نہیں پائی جاتی جس کا حکم منسوخ ہوچکا ہو یعنی اس کا حکم کسی درجے اور کسی محل میں باقی نہ رہا ہو بلکہ ضروری ہے کہ اس کا حکم کسی مرتبہ، کسی حالت اور کسی زمانے میں مشروع رہا ہو۔

شیخ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی کوئی آیت اور کوئی حکم اس انداز سے منسوخ نہیں ہے کہ اس پر کبھی عمل ہی نہ ہوا ہو۔ بلکہ تمام قرآن پر عمل ہو سکتا ہے یہ الگ بات ہے کہ کچھ احکام دائمی ہیں جس پر ہمیشہ عمل ہوتا رہے گا اور کچھ وقتی ہیں جن پر کبھی عمل ہوا اور کبھی موقوف ہوگیا۔

گزشتہ تمام مباحث کا حاصل یہ ہے کہ متقدمین نے نسخ کی جو تعریف کی ہے اس سے سیکڑوں آیات منسوخ ٹھہرتی ہیں اس نسخ کو ہر دور کے علماء نے تسلیم کیا ہے اور کسی نے اختلاف نہیں کیا لیکن متاخرین کی تعریف نسخ کی رو سے،

(الف) علامہ ابوبکر ابن عربیؒ کے نزدیک اکیس آیتیں منسوخ ہیں۔

(ب) علامہ سیوطیؒ بیس آیات میں نسخ کے قائل ہیں۔ (۹۶)

(ج) علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے۔۔۔ (۹۷۔الف)

(د) ڈاکٹر صبحی صالح کے نزدیک آیات منسوخہ کی تعداد دس سے زیادہ نہیں ہے۔۔۔ (۹۷۔ب)

(ھ) مولانا محمد حنیف ندوی لکھتے ہیں۔

"اس باب میں متوازن رائے یہ ہے کہ جن آیات میں نسخ واقع ہوا ان کی تعداد نو، دس، پانچ یا پانچ، اور چھے سے زیادہ نہیں۔ باقی تمام آیات جن کو منسوخ سمجھا جاتا ہے، وہ قطعی منسوخ نہیں۔" (۹۸)

(و) شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پانچ آیتوں کو منسوخ مانتے ہیں۔ (۹۹)

(ز) ان پانچ آیتوں کا گزشتہ صفحات میں جو جائزہ پیش کیا گیا ہے اس کی رو سے یہ تعداد مزید کم ہو جاتی ہے۔

(ح) ابو مسلم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نسخ فی القرآن کے قائل ہی نہیں ہیں۔ (۱۰۰)

(ط) مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا میلان بھی ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف معلوم ہوتا ہے۔

وللناس فیما یعشقون مذاهب

سبعۃ احرف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرؤوا ما تیسر منه۔" (۱۰۱)

"بے شک یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ ان میں سے تمہارے لئے جو طریقہ آسان ہو اسی کے مطابق پڑھ لیا کرو۔"

اس حدیث مبارکہ کو حسب ذیل اکیس صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔

حضرات!

۱۔ ابو ایوب انصاری	۲۔ ابوبکرہ	۳۔ ابو جہم
۴۔ ابو سعید خدری	۵۔ ابو طلحہ	۶۔ ابو ھریرۃ
۷۔ ابی بن کعب	۸۔ انس بن مالک	۹۔ حذیفہ بن یمان
۱۰۔ زید بن ارقم	۱۱۔ سلیمان بن صرد	۱۲۔ سمرہ بن جندب
۱۳۔ عبداللہ بن عباس	۱۴۔ عبداللہ بن مسعود	۱۵۔ عبدالرحمٰن بن عوف
۱۶۔ عثمان بن عفان	۱۷۔ عمر بن ابی سلمہ	۱۸۔ عمر بن خطاب
۱۹۔ عمرو بن عاص	۲۰۔ معاذ بن جبل	۲۱۔ ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہم (۱۰۲)

یہ حدیث حسب ذیل کتب میں درج کی گئی ہے۔

۱۔ صحیح البخاری کتاب الخصومات، کتاب بدء الخلق، کتاب فضائل القرآن، کتاب استتابة المرتدین، کتاب التوحید۔

۲۔ صحیح مسلم۔ کتاب صلاۃ المسافرین۔

۳۔ جامع ترمذی۔ کتاب القرآن۔

۴۔ سنن ابی داود۔ کتاب الوتر۔

۵۔ سنن نسائی۔ کتاب افتتاح الصلاۃ۔

۶۔ مؤطا امام مالک۔ قرآن۔

۷- مسند احمد بن حنبل- ج:۱، ۲، ۴، ۵، ۶-

۸- مسند طیالسی- حدیث نمبر: ۳۹، ۵۴۳، ۵۵۸-

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مسند ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے-

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک دن بر سر منبر لوگوں سے پوچھا کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہو کہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے- جو کافی اور شافی ہیں، وہ کھڑا ہو جائے تو اس پر اتنے لوگ کھڑے ہو گئے جن کا شمار مشکل تھا ان سب نے گواہی دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں-" (۱۰۳)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے مزید لکھا ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے- یعنی ہر دور میں اسے نقل کرنے والوں کی اتنی کثرت رہی ہے کہ ان کی طرف جھوٹ کی نسبت نہیں کی جا سکتی- لیکن اس حدیث کے مفہوم میں علماء کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے بقول علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے معنی کی تعیین میں چالیس اقوال منقول ہیں لیکن انہوں نے "الاتقان" میں پینتیس قول درج کئے ہیں-

ان اقوال میں سے یہ قول زیادہ مشہور ہوا ہے کہ "سات حروف" سے مراد عرب کے سات فصیح قبائل کی زبانیں ہیں - لیکن محققین کی نظر میں یہ قول صحیح نہیں ہے- (۱۰۴) کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف لغات (زبانیں اور لب ولہجے) ختم کر کے صرف لغت قریش کے مطابق مصاحف تیار کرائے تھے اور دلیل یہ دی تھی کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "حروف سبعہ" (سات حروف جن میں قرآن نازل ہوا) کا تعلق صرف قریش کی زبان کے ساتھ ہے دوسرے قبائل کی زبانوں کے ساتھ نہیں ہے-

بعض علماء کا خیال ہے کہ سات حروف سے مراد سات قرأتیں ہیں، لیکن یہ قول بھی محل نظر ہے کیونکہ قرأتیں سات نہیں ہیں بلکہ زیادہ ہیں اور یہ قرأتیں بعد میں مدون ہوئی تھیں- (۱۰۵)

بعض علماء کا خیال ہے کہ سات حروف میں سے چھے حروف ختم ہو گئے ہیں اور صرف ایک حرف باقی ہے اور قرآن کی قرأت اسی ایک حرف یا ایک ہی طریقے پر کرنی چاہئے (۱۰۶) لیکن یہ قول بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن حکیم میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں قراء ایک دوسرے سے مختلف قرأت کرتے ہیں اور یہ ساری قرأتیں جائز ہیں ان پر کسی نے پابندی نہیں لگائی مثلاً---

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کو مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

عَلَيْهِمْ، عَلَيْكُمْ کو عَلَيْهِمُ، عَلَيْكُمُ

اور وَالضحیٰ کو وَالضُّحیٰ
پڑھنا نہ صرف جائز ہے بلکہ متواتر سند کے ساتھ ثابت ہے۔ الغرض (سات حروف) کے مفہوم میں خاصا اختلاف ہے علماء نے ایک دوسرے کے اقوال پر تنقید و تبصرہ بھی کیا ہے اور اپنی اپنی تحقیق کے مطابق اس کا صحیح مفہوم متعین کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔

(تفصیلات کے لئے دیکھئے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی "الاتقان" ج:۱ نوع ۱۶ اور علامہ زرکشی کی "البرہان" ج:۱، ص:۲۱۱ تا ۲۲۷)

"سات حروف" کے جتنے مفہوم بیان کئے گئے ہیں ان میں سب سے زیادہ معقول اور پسندیدہ ترین قول امام ابوالفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے ان کی رائے یہ ہے کہ قاریوں کے درمیان جتنے اختلافات پائے جاتے ہیں ان کی نوعیت سات طرح کی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ اختلافات سات اقسام میں منحصر ہیں ان سے زیادہ نہیں۔

۱۔ **اسماء کا اختلاف:** واحد تثنیہ جمع اور مذکر و مؤنث میں اختلاف ہو۔ مثلاً: وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ اور وَتَمَّتْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ۔
پہلی قرأت میں "کلمہ" واحد اور دوسری میں جمع ہے۔

۲۔ **افعال کا اختلاف:** ایک فعل کسی قرأت میں ماضی، کسی میں مضارع اور کسی میں امر کی شکل میں مستعمل ہو۔ مثلاً: رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا اور رَبُّنَا بَعَّدَ بَيْنَ اَسْفَارِنَا۔
پہلی قرأت میں فعل امر اور دوسری میں فعل ماضی لایا گیا ہے۔
افعال میں تذکیر و تانیث کا اختلاف بھی مروج ہے، مثلاً لَا يُقْبَلُ اور لَا تُقْبَلُ۔
پہلے فعل کا صیغہ مذکر اور دوسرے کا مؤنث ہے۔

۳۔ **وجوہ اعراب کا اختلاف:** مختلف قرأتوں میں اعراب (زبر، زیر، پیش) کا اختلاف واقع ہو، مثلاً وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ ، وَلَا يُضَآرُّ كَاتِبٌ ، ذُوالْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ، ذُوالْعَرْشِ الْمَجِيْدِ ، هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ ، هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللّٰهِ۔

۴۔ **الفاظ کا اختلاف:** کسی قرأت میں ایک لفظ موجود ہو اور کسی میں نہ ہو، مثلاً: تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ، تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهَارُ۔
پہلی قرأت میں "من" آیا ہے اور دوسری میں نہیں ہے۔

۵۔ **تقدیم و تاخیر کا اختلاف:** ایک قرأت میں کوئی لفظ مقدم اور دوسری میں مؤخر ہو، مثلاً:

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ اور وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ

۶۔ **بدلیت کا اختلاف:** ایک قرأت میں ایک لفظ ہو اور دوسری میں اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ مستعمل ہو، مثلاً: نُنْشِزُهَا اور نَنْشُزُهَا، طَلْحٍ اور طَلْعٍ، فَتَبَيَّنُوْا اور فَتَثَبَّتُوْا

۷۔ **لب ولہجے کا اختلاف:** اس میں تفخیم، ترقیق، امالہ، قصر، مد، اظہار، ادغام وغیرہ کے اختلافات شامل ہیں، مثلاً: مُوْسٰی کو مُوْسَیْ پڑھنا۔ (۱۰۷)

امام ابوالفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو متعدد اہل علم نے پسند کیا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کا (سات حروف کے بارے میں) قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

"ھذا وجه حسن۔" یہ اچھی توجیہ ہے۔

پھر امام ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ کا قول تحریر کر کے اپنی رائے یوں لکھی ہے۔

"قلت وقد اخذ كلام ابن قتيبة ونقحه۔" (۱۰۸)

میرا خیال ہے کہ ابوالفضل نے ابن قتیبہ کا قول اختیار کر کے اسے جلا بخشی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے، "حروف" کا معنی ومفہوم متعین کرنے میں علماء کو مشکل کا سامنا کرنا پڑا ہے لیکن متعدد علماء اس کے صحیح مفہوم تک پہنچ گئے ہیں جن میں امام ابوالفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست ہیں۔

حضرات امام مالک، علامہ ابن قتیبہ، علامہ ابوالفضل رازی، قاضی ابوبکر، علامہ ابن الطیب، امام ابوالحسن اشعری، قاضی عیاض، علامہ ابن حزم، علامہ ابوالولید باجی، امام غزالی اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہم ایسے جلیل القدر علماء کی متفقہ رائے ہے کہ یہ ساتوں حروف آج بھی باقی اور محفوظ ہیں (۱۰۹) ان میں سے کوئی بھی ختم نہیں ہوا۔ یہ سارے اختلافات مصحف عثمانی کے رسم الخط میں سموئے ہوئے ہیں تاہم اس رسم الخط میں جس اختلاف کی گنجائش نہ ہو وہ قابل قبول نہیں ہے۔

فتنۂ استشراق

مسلمانوں کا تعلق جب تک شمشیر وسناں کے ساتھ رہا وہ دنیا کے ایک بڑے حصے پر چھائے رہے' قوموں کی امامت اور رہنمائی کی' انہیں جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم کی روشنی میں لائے' انہیں انفس و آفاق کی نشانیوں میں غور و فکر کی دعوت دی' چنانچہ آج سائنس کی بلند و بالا عمارت انہیں کی رکھی ہوئی بنیادوں پر قائم ہے۔ لیکن جدوجہد سے غفلت اور طاؤس ورباب کی طرف میلان نے انہیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ آبائی روش سے ہٹتے ہی وہ مصائب کا شکار ہوئے اور الجھنوں کی دلدل میں دھنستے چلے گئے حتی کہ دوسروں پر حکومت کرنے والے خود محکوم بن گئے۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

دو صدی قبل یورپی یاجوج وماجوج اپنے ممالک کی جغرافیائی حدود کو توڑتے ہوئے عالم اسلام پر چڑھ دوڑے تھے۔ انہوں نے ہوس ملک گیری میں مذہب' اخلاق اور قانون کے تمام ضابطے اٹھا دیئے۔ اپنی راہ میں حائل ہر رکاوٹ کو نہایت بے دردی سے پائمال کیا اور اپنی ذرا سی مملکت کو اتنی وسعت دی کہ بیچارے سورج کو غروب ہونے کے لئے جگہ نہیں ملتی تھی۔ دوسری طرف مستانِ طاؤس ورباب اور رقص و سرود کی لوریوں میں سونے والے غلام کبھی کبھی آنکھیں ملتے ہوئے اٹھتے تو اپنے دشمن کو توپ و تفنگ اور قرطاس و قلم سے مسلح پاتے۔ مقابلہ تو کجا آنکھ بھر کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ پڑتی' اپنے آپ کو بے بس اور لاچار سمجھتے ہوئے کبوتر کی طرح دوبارہ آنکھیں بند کر لیتے۔ دشمن تلوار کے زور' قلم کی طاقت' استدلال کی قوت' علمی شواہد کی تائید اور غارت گر ایمان حسن وجمال کے ساتھ جو خیالات' افکار و نظریات حتی کہ ہزلیات اور خرافات تک ان کے سامنے رکھتا وہ نیند کے ماتے اونگھتے اور آنکھیں جھپکاتے ہوئے بزاخفش کی طرح سر ہلا کر رہ جاتے۔ آرام طلب دماغوں اور مرعوب ذہنیتوں نے ہر جھوٹ کو سچ جانا' تخریب پر تعمیر کا گمان کیا۔ اپنے اعتقادات اور نظریات پر ان کی گرفت ڈھیلی ہو گئی۔ ان کے تمام اخلاقی ضابطے اس تیز و تند سیل عرم میں بہہ گئے اور یہ بات غلاموں کے دل ودماغ پر نقش ہو گئی کہ جو کچھ مغرب سے آتا ہے وہی حق ہے۔ دیدہ وران استشراق جو کہہ دیں وہی قولِ فیصل اور جو لکھ دیں وہی حرف آخر ہے۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

مستشرقین کے پیش نظر عموماً مذہبی اور سیاسی مقاصد ہوتے ہیں۔ وہ تحقیق (Research) کے

خوشنما اور مرعوب کن پروپیگنڈے کی آڑ میں تحقیر اسلام اور توہین علماء کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے دل میں اسلام اور قرآن کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرتے اور انہیں مذہب سے متنفر کرتے ہیں اس طرز عمل سے وہ لوگوں کے درمیان عیسائیت کا رستہ ہموار کرنے میں مصروف ہیں۔ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ علم کی بحیثیت علم خدمت کر رہے ہیں لیکن مدعا یہ ہے کہ مسیحیت کی ترویج و اشاعت ہوتی رہے کیونکہ مستشرقین کی اکثریت پادریوں پر مشتمل ہے ان میں سے ایک بڑی تعداد نسلاً و مذہباً یہودی ہے۔[۱۱۰] یہ ساری کھیپ اسلام' رسول اللہ ﷺ اور قرآن کے خلاف انتہا کا تعصب اور دلی بغض وعناد رکھتی ہے۔

ماضی میں مغربی حکومتوں کے لئے مستشرقین نے ہراول دستہ کی حیثیت سے کام کیا ہے۔ مذہبی اور علمی محاذوں پر انہیں کمک اور رسد پہنچائی ہے۔ خصوصاً مشرقی اقوام کے رسم ورواج' مزاج وخصائل' طرز معاشرت' زبان و ادب وغیرہ کی مکمل معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ انتہا یہ کہ قوموں کی نفسیات' جذبات واحساسات تک رسائی حاصل کی اور اپنے حکمرانوں کو ان باریک اسرار ورموز تک سے باخبر رکھا ہے۔ تاکہ انہیں ان غلاموں پر حکم چلانے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ جن مسائل سے حکومت کو پریشانی یا ان کے اقتدار کو خطرہ لاحق ہو ان کا توڑ بھی کرتے آئے ہیں۔ ان کی مقدور بھر کوشش یہی رہی ہے کہ رائے عامہ حکومت کے حق میں سازگار رہے اور ایسی علمی اور ذہنی فضا پیدا ہو جس میں حاکم وقت کی مخالفت کا خیال ہی پیدا نہ ہونے پائے' بلکہ حکمران طبقے کی عزت وعظمت بڑھے' ان کی تہذیب اور ان کے تمدن کی وقعت اور برتری کا تصور قائم رہے' لوگ انہیں اپنا محسن اور خیر خواہ سمجھیں' ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے فخر محسوس کریں اور اس حد تک مانوس ہو جائیں کہ مغربی حکومتوں کے ہٹ جانے کے بعد بھی ان کا ذہنی اور تہذیبی اقتدار قائم رہے۔

شیاطین ملوکیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوق نخچیری

مستشرقین کی سیاسی و مذہبی خدمات کو مغربی حکومتوں نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ ان کی صرف زبانی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ مکمل سرپرستی کی ہے۔ اس گروہ کو آج بھی اپنے حکمرانوں کی پشت پناہی حاصل ہے کیونکہ وہ اس وقت بھی علمی محاذ پر اسی طرح دندنا رہے ہیں جس طرح وہ دورِ غلامی میں قلانچیں بھرا کرتے تھے۔ بلکہ آج ان کی پرواز ماضی کی نسبت کچھ زیادہ ہی بلند ہے۔ ان کی مذہبی اور علمی وادبی "خدمات" پر عصر حاضر کے عظیم مفکر اور دانشور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رقمطراز ہیں۔

"مستشرقین عمومی طور پر اہل علم کا وہ بد قسمت اور بے توفیق گروہ ہے جس نے قرآن وحدیث' سیرت نبوی' فقہ اسلامی اور اخلاق وتصوف کے سمندر میں بار بار غوطے لگائے اور بالکل خشک دامن' اور تہی دست واپس آیا' بلکہ اس سے اس کا عناد' اسلام سے دوری اور حق کے انکار کا جذبہ اور بڑھ گیا' اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ نتائج ہمیشہ مقاصد کے تابع ہوتے ہیں۔ عام طور پر ان مستشرقین کا مقصد کمزوریوں کا تلاش کرنا اور دینی یا سیاسی مقاصد کے ماتحت ان کو نمایاں کرنا اور چمکانا ہوتا ہے۔ چنانچہ صفائی کے انسپکٹر کی طرح ان کو ایک گلزار و جنت نشاں شہر میں صرف غیر صحت مند مقامات ہی نظر آتے ہیں۔

مستشرقین کی محرومی صرف ان کی ذات تک محدود نہیں' اگر تنہا یہ پہلو ہوتا تو وہ ہماری توجہ کا مرکز اور ہماری اس بحث کا موضوع نہ ہوتا مسئلہ کا زیادہ سنگین اور دور رس پہلو یہ ہے کہ وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو معقول وغیر معقول طریقہ پر ان کمزوریوں کی نشاندہی اور ان کو نہایت مہیب شکل میں پیش کرنے میں صرف کرتے ہیں وہ خردبین سے دیکھتے ہیں اور اپنے قارئین کو دوربین سے دکھاتے ہیں' رائی کا پربت بنانا ان کا ادنی کام ہے۔ وہ اپنے اس کام میں (یعنی اسلام کی تاریک تصویر پیش کرنے میں) اس سبک دستی' ہنرمندی اور صبر وسکون سے کام لیتے ہیں جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔" (۱۱۱)

نہ شعلے میں یہ کرشمہ' نہ برق میں یہ ادا
کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تندخو کیا ہے؟

مستشرقین کا انداز تحقیق گہرا' اور طرز تحریر ایسا پرکشش ہوتا ہے کہ کم علم آدمی آسانی سے ان کے دام تزویر کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ کسی موضوع پر کام کرنے سے پہلے اپنا مقصد اور غرض و غایت سوچتے اور ایک بات طے کر لیتے ہیں۔ پھر اسے ثابت کرنے کے لیے ہر طرف ہاتھ پاؤں مارتے' ہر وادی میں بھٹکتے' ہر گھاٹ پر اوندھے گرتے اور ہر کھیت میں منہ مارتے ہیں۔ مذہب و تاریخ' تفسیر وحدیث' روایات و آثار' ادب' افسانہ' شاعری غرض مستند وغیر مستند ماخذ سے ہر رطب و یابس جمع کرتے ہیں اپنے مطلب کی روایت کو' خواہ وہ مشکوک ومجروح ہی کیوں نہ ہو حاصل کر کے اس پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھتے اور اپنے مذموم مقاصد کی بلند و بالا اور پرشکوہ عمارت تعمیر کرتے ہیں۔ وہ کسی اسلامی حکم کی "برائی" بیان کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو اس سے متنفر کرنا مقصود ہوتا ہے تو براہ راست اس پر حملہ نہیں کرتے بلکہ ایک محقق مخلص کے روپ میں اس حکم کی خوبیوں میں رطب اللسان ہو جاتے ہیں اور نہایت فراخدلی سے اس کی مدح سرائی میں زمین و آسمان کے قلابے

ملاتے چلے جاتے ہیں۔ ایک سادہ دل اور خالی الذہن قاری ان کی تحریر سے بے حد متاثر ہوتا ہے۔ ان کے انصاف، وسعت قلبی اور بے تعصبی سے اس حد تک مرعوب ہو جاتا ہے کہ اس مدح سرائی کے پردے میں ملفوف ایک "عیب" کو بھی آسانی سے قبول کر لیتا ہے۔ یہی ایک "عیب" گزشتہ تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیتا ہے اس طریقۂ واردات سے مستشرقین کا الو سیدھا ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنی ان کارروائیوں کے جال کو اس مہارت اور چالاکی سے پھیلاتے ہیں کہ قارئین کو آخر وقت تک پتہ نہیں چلنے دیتے کہ انہوں نے کسی جھوٹ اور غلط بات کو قبول کر لیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی تحریروں میں "زہر" کی ایک مناسب مقدار شامل کرتے ہیں اور اس پر نظر رکھتے ہیں کہ "زہر" حد سے نہ بڑھے اور پڑھنے والے کو متنفر اور بدگمان نہ کر دے۔ ایسی زہر آلود اور پر اسرار تحریریں ایک عام آدمی کے لیے انتہائی مضر ثابت ہوتی ہیں علم اور عقل کے لحاظ سے ایک متوسط درجے کے آدمی کا ایسی خوشنما اور پرکشش تحریروں کے سحر سے بچ نکلنا بہت ہی مشکل ہے۔ اسی خطرے کی نشاندہی کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

"قرآن، سیرت نبوی، فقہ وکلام، صحابہ کرام، تابعین، آئمہ مجتہدین، محدثین وفقہا، مشائخ وصوفیاء، رواۃ حدیث، فن جرح وتعدیل، اسماء الرجال، حدیث کی حجیت، تدوین حدیث، فقہ اسلامی کے مآخذ، فقہ اسلامی کا ارتقاء، ان میں سے ہر موضوع کے متعلق مستشرقین کی کتابوں اور تحقیقات میں اتنا تشکیکی مواد پایا جاتا ہے جو ایک ایسے ذہین و حساس آدمی کو، جو اس موضوع پر وسیع اور گہری نظر نہ رکھتا ہو، پورے اسلام سے منحرف کر دینے کے لئے کافی ہے۔" (۱۱۲)

ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

* * * * * * *

ان مستشرقین میں زیادہ تعداد عیسائیوں اور یہودیوں کی ہے اور خصوصاً وہ گروہ جن کا تعلق مذہب سے ہے یعنی پادری اور ربی۔ ان عاقبت نا اندیشوں نے اسلام اور خصوصاً قرآن کے بارے میں ان گنت شکوک وشبہات پھیلائے ہیں جنہیں مٹانے اور اصل حقیقت سامنے لانے کے لیے اچھا خاصا وقت صرف ہو گا اور علماء اسلام کو سخت محنت کرنا پڑے گی۔

مستشرقین سے استفادہ

مولانا مودودی مرحوم سے کسی صاحب نے سوال کیا تھا۔

"کیا اسلامی ملک میں ان مغربی مستشرقین، غیر مسلم اسکالرز اور پروفیسروں کو تعلیم یا تقریر کے لئے مدعو کیا جا سکتا ہے جنہوں نے عمداً یا کم علمی و تعصب سے حضور اکرم ﷺ، خلفاء راشدین، صحابہ کرام (بشمول قرآن حکیم) وغیرہ کی شان میں نازیبا الفاظ لکھ کر ہدف ملامت بنایا ہے؟ کیا ان کی دل آزار اور زہر آلود کتابوں اور لٹریچر کی ہماری لائبریریوں میں موجودگی گوارا کی جا سکتی ہے؟"

مولانا مرحوم نے اس کا جواب دیتے ہوا لکھا تھا۔

"یہ زمانے کے انقلابات ہیں۔ ایک وقت وہ تھا کہ یورپ کے عیسائی اندلس (Spain) جا کر مسلمانوں سے انجیل کا سبق لیا کرتے تھے: اب معاملہ الٹا ہو گیا ہے کہ مسلمان یورپ والوں سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کیا ہے۔؟ اور اسلام کی تاریخ اور اس کی تہذیب کیا ہے؟ حتی کہ عربی زبان بھی مغربی مستشرقین سے سیکھی جاتی ہے۔ مغربی ممالک سے استاد درآمد کر کے ان سے اسلامی تاریخ پڑھوائی جاتی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو کچھ وہ لکھتے ہیں نہ صرف اسے پڑھا جاتا ہے بلکہ اس پر ایمان بھی لایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ خود اپنے مذہب اور اس کی تاریخ کے متعلق اپنے ہم مذہبوں کے سوا کسی کی رائے کو ذرہ برابر بھی دخل دینے کی اجازت نہیں دیتے۔ یہودیوں نے اپنی انسائیکلو پیڈیا (Jewish Encyclopedia) شائع کی ہے اور اس میں کوئی ایک مضمون (Article) بھی کسی مسلمان تو درکنار کسی عیسائی مصنف کا بھی نہیں ہے۔ بائیبل کا ترجمہ بھی یہودیوں نے اپنا کیا ہے۔ عیسائیوں کے ترجمے کو وہ ہاتھ نہیں لگاتے۔ اس کے برعکس یہودی مصنفین اسلام کے متعلق مضامین اور کتابیں لکھتے ہیں اور مسلمان ہاتھوں ہاتھ ان کو لیتے ہیں اور ان کا یہ حق مانتے ہیں کہ ہمارے مذہب اور ہماری فقہ اور ہماری تہذیب اور ہمارے بزرگوں کی تاریخ کے متعلق محققانہ کلام فرمائیں اور ہم یہ چیزیں ان سے سیکھیں۔ یہ صورت حال کسی صحیح اسلامی حکومت میں نہیں رہ سکتی اور نہ رہنی چاہئے اور کوئی وجہ نہیں کہ رہ سکے۔ اسلامی حکومت بھی ہو اور اسلام اور مسلمان یتیم بھی ہوں، یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہیں۔ یہ رویہ مسلمانوں کی غیر اسلامی حکومت ہی کو مبارک رہے۔" (۱۱۳)

تو اگر خوددار ہے منت کش ساقی نہ ہو
عین دریا میں حباب آسا گوں پیمانہ کر

* * * * * * * *

خوگر نقد سے تھوڑی سی ثنا بھی سن لے

اس میں کوئی شک نہیں کہ مستشرقین اسلام کے دینی افکار و نظریات پر اپنے پورے لاؤ لشکر سمیت حملہ آور ہوئے ہیں۔ انہوں نے اسلام پر مسیحیت اور مغربی افکار و اقدار کی عظمت و برتری ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور (بزعم خویش) اسلامی تعلیمات کی ایسی تشریح کی اور اسلامی اقدار کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ لوگ اسلام سے متنفر ہوں یا کم از کم یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں کہ اسلام کے چودہ سو سالہ پرانے نظریات موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتے۔ بایں ہمہ اس طبقے نے اسلامی علوم کے سلسلے میں جو مثبت کام کیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔ اس کی قدر نہ کرنا علمی اور اخلاقی بخل شمار ہوگا مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض فضلاء مشرقیات واسلامیات کو اپنے علمی ذوق و شغف کے ماتحت بھی اختیار کرتے ہیں اور اس کے لیے اس دیدہ ریزی' دماغ سوزی اور جفاکشی سے کام لیتے ہیں جس کی داد نہ دینا ایک اخلاقی کوتاہی اور علمی ناانصافی ہے۔ ان کی مساعی سے بہت سے مشرقی واسلامی علمی جواہرات ونوادر پردۂ خفاء سے نکل کر منظرعام پر آئے' اور جاہل وارثوں اور ظالم کیڑوں کی دست برد سے محفوظ ہو گئے۔ متعدد اعلیٰ اسلامی مآخذ اور تاریخی وثائق ہیں جو ان کی محنت اور ہمت سے پہلی مرتبہ شائع ہوئے اور مشرق کے اہل علم نے اپنی آنکھوں کو ان سے روشن کیا۔" (۱۱۴)

مستشرقین نے جن علمی جواہرات اور نوادر کی تلاش و جستجو کی ہے اس کی فہرست طویل ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے' حسب ذیل کتابیں۔

۱۔ طبقات ابن سعد ۲۔ تاریخ طبری ۳۔ تاریخ کامل ابن اثیر
۴۔ انساب سمعانی ۵۔ فتوح البلدان بلاذری ۶۔ کتاب الہند البیرونی وغیرذالک

پہلی مرتبہ یورپ سے شائع ہوئیں' پھر ان کے متعدد ایڈیشن اسلامی ممالک مصر وغیرہ سے نکلے اور مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر دنیا میں پھیلے۔ حدیث کی تلاش و جستجو کے لیے "المعجم المفهرس لالفاظ الحديث النبوی" پوری دنیا میں استعمال ہو رہی ہے کوئی تحقیقی مرکز اس سے خالی نہیں ہوگا یہ معجم دو مستشرقین (J.P.Mensing اور A.J. Wensinck) کی محنت کا ثمر ہے۔ ان جیسی عظیم علمی شخصیات کے لیے ہم دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں مشرف بہ اسلام ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں نہ تو شک کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کی فصاحت وبلاغت سے انکار ممکن ہے۔ اپنے اور بیگانے دونوں اس کلام سے متاثر ہوتے ہیں۔ انصاف پسند غیر مسلموں نے بھی اسے بے نظیر اور بے مثال قرار دیا ہے۔ جناب ورقہ بن نوفل نے ابتدائی وحی سے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے بلکہ "ناموس موسیٰ" کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ شاہ حبش جناب نجاشی نے سورۃ مریم کا ابتدائی حصہ سن کر فرمایا تھا۔

"یقیناً یہ کلام اور جو کچھ عیسیٰ لائے تھے دونوں ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہیں۔" (۱۱۵)

انبیاء کرام کے سچے پیروکار نہ صرف ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کی مذہبی کتب کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن جو لوگ نبیوں کے راستے سے ہٹ گئے' ایک ہی مذہب کے ماننے والے متعدد فرقوں میں تقسیم ہوگئے اور تعصب کی بنا پر ایک دوسرے پر بے بنیاد الزامات عائد کئے ان سے کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ دوسروں کی مذہبی کتب کا احترام کریں گے۔

شجر ہے فرقہ آرائی' تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

دور حاضر کے مستشرقین قرآن حکیم کے باب میں سخت تعصب کا شکار ہیں۔ انہوں نے غیر جانبداری سے کبھی قرآن کا مطالعہ نہیں کیا۔ ان کی ساری تگ و دو کا محور یہی رہا ہے کہ اس میں کوئی عیب اور نقص تلاش کریں اور امت مسلمہ میں شکوک وشبہات کو ہوا دیں۔ قرآن حکیم کے خلاف اس جھوٹے پروپیگنڈے کا صور کچھ اس زور سے پھونکا جا رہا ہے کہ بعض غیر جانبدار اور غیر متعصب حلقے بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ قرآن کے بارے میں سچ لکھتے ہوئے بھی کہیں نہ کہیں اس میں جھوٹ کی آمیزش کر دیتے ہیں جیسے ماضی قریب میں

مائیکل ہارٹ (Michael Hart) نے "The 100" شائع کی ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدح سرائی کرتے ہوئے قرآن کو بھی آپ ہی کی تصنیف قرار دیا ہے۔ (۱۱۶)

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون○

تجاہل عارفانہ

مستشرقین کی تحقیق کا انداز یہ ہے کہ وہ کسی موضوع پر کام کرنے سے پہلے ایک فیصلہ کر لیتے ہیں پھر اس کے اثبات کے لئے اسلامی لٹریچر سے وہ مواد اخذ کرتے ہیں جو ان کی منشا کے مطابق ہو۔

اس سلسلے میں وہ ہر قسم کا رطب ویابس جمع کرتے ہیں ان کے ہاں ضعیف سے ضعیف تر روایت بھی قابل قبول ہے اگر اس سے ان کا مقصد پورا ہوتا ہو اور صحیح ترین روایت بھی مردود ٹھہرتی ہے اگر وہ ان کے خیال کے خلاف پڑتی ہو۔ گویا انہوں نے ناپ لئے بغیر ایک لباس تیار کر رکھا ہے اور ملبوس کو پہنانے کے لیے ہزار جتن کرتے ہیں۔ فٹ آئے یا نہ آئے وہ کھینچ تان کر کے لباس پہنا کر ہی دم لیتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے طے کر رکھا ہے کہ (معاذ اللہ) قرآن آج اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں ہے بلکہ اس میں تغیر و تبدل ہو چکا ہے۔ اس دعوی کے ثبوت میں وہ ضعیف و موضوع احادیث و روایات کا انبار لگا دیتے ہیں۔ پھر اس ڈھیر کو کچھ اس انداز سے اپنے قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ وہ بے چارہ اس خوبصورت تحریر کے سحر میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ محققین کے بھاری بھر کم ناموں' بڑی بڑی ڈگریوں اور قد آور شخصیتوں سے مرعوب ذہن کبھی نہیں سوچتے کہ انہوں نے قرآن کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس میں سچ کتنا اور جھوٹ کس قدر ہے۔

احادیث' سیر اور تاریخ وغیرہ کی کتابوں میں درج روایات پر محدثین نے مفصل کلام کیا ہے راویوں کو جرح و تعدیل کی میزان میں تولا ہے۔ صحیح' ضعیف اور موضوع روایات کو الگ الگ کر کے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ حکم بیان کیا ہے لہٰذا محدثین کے اس فیصلے کو نظر انداز کرتے ہوئے کسی روایت کو قبول کرنے کی اجازت ہے نہ اس سے استدلال کرنے کی۔ محدث حاکم نیشاپوریؒ نے "مستدرک" مرتب کی تھی اور اس میں بخاریؒ' و مسلمؒ کی شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے روایات درج کیں۔ اگرچہ بیشتر احادیث و روایات شیخین کی شرائط کے مطابق ہیں لیکن تمام روایات اس معیار پر نہیں ہیں۔ بلکہ اس مجموعے میں ضعیف اور موضوع روایات کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد شامل ہے جسے حاکمؒ نے تساہل برتتے ہوئے صحیح اور بخاریؒ و مسلمؒ کی شرائط کے مطابق قرار دیا ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے "مستدرک" کی تمام روایات کا جائزہ لیا ہے اور صحیح' ضعیف اور موضوع روایات کی نشاندہی کی ہے ان کی یہ ساری کاوش "تلخیص" کے نام سے "مستدرک" کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے علامہ ذہبی نے تصریح کی ہے کہ ان کی تلخیص کے بغیر "مستدرک حاکم" کا مطالعہ کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے' مبادا کوئی شخص کسی غلط روایت سے کوئی غلط نتیجہ اخذ کر لے۔

طبقات کتب الحدیث

محدثین نے کتب احادیث کی صحت کے لحاظ سے درجہ بندی کی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ان کتابوں کی جو ترتیب قائم کی ہے وہ سب سے بہتر ہے۔ انہوں نے انہیں حسب ذیل پانچ

طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

(الف) پہلا طبقہ

۱۔ مؤطا امام مالکؒ ۲۔ صحیح بخاریؒ ۳۔ صحیح مسلمؒ

(ب) دوسرا طبقہ

۱۔ جامع ترمذیؒ ۲۔ سنن ابی داودؒ ۳۔ سنن نسائیؒ
۴۔ سنن ابن ماجہؒ (عند البعض) ۵۔ مسند احمد بن حنبلؒ۔

(ج) تیسرا طبقہ

۱۔ مسند شافعیؒ ۲۔ سنن ابن ماجہؒ (عند البعض) ۳۔ مسند دارمیؒ
۴۔ مسند ابی یعلی موصلیؒ ۵۔ مصنف عبدالرزاقؒ ۶۔ مصنف ابن ابی شیبہؒ
۷۔ مسند عبد ابن حمیدؒ ۸۔ مسند ابی داود طیالسیؒ ۹۔ سنن دار قطنیؒ
۱۰۔ صحیح ابن حبانؒ ۱۱۔ مستدرک حاکمؒ ۱۲۔ کتب بیہقیؒ
۱۳۔ کتب طحاویؒ ۱۴۔ تصانیف طبرانیؒ۔

(د) چوتھا طبقہ

۱۔ کتاب الضعفاء ابن حبانؒ ۲۔ تصانیف حاکمؒ ۳۔ کتاب الضعفاء عقیلیؒ
۴۔ کتاب الکامل ابن عدیؒ ۵۔ تصانیف ابن مردویہؒ ۶۔ تصانیف خطیبؒ
۷۔ تصانیف ابن شاہینؒ ۸۔ تفسیر ابن جریرؒ ۹۔ تصانیف فردوس دیلمیؒ
۱۰۔ تصانیف ابی نعیمؒ ۱۱۔ تصانیف جوزقانیؒ ۱۲۔ تصانیف ابن عساکرؒ
۱۳۔ تصانیف ابی الشیخؒ ۱۴۔ تصانیف ابن نجارؒ ۱۵۔ مسند خوارزمیؒ

(ھ) پانچواں طبقہ

فقہاء، صوفیاء اور مؤرخین کی روایتیں (۱۱۷)

پہلے طبقے کی تین کتابیں صحیح ترین شمار کی جاتی ہیں۔ دوسرے طبقے کی کتب میں اگرچہ ضعیف روایات موجود ہیں لیکن غالب اکثریت صحیح احادیث و روایات کی ہے اس لئے انہیں تغلیبا صحاح میں شمار کیا جاتا ہے۔ تیسرے، چوتھے اور پانچویں طبقے کی کتابوں میں ضعیف اور موضوع روایات کثرت سے پائی جاتی ہیں اور صحیح احادیث و روایات نسبۃً کم ہیں لہٰذا ان کتابوں کے مطالعہ میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے ماہرین فن ان سے صداقت کے جواہر اخذ کر لیتے ہیں اور عام آدمی کو قدم قدم پر ٹھوکر لگتی ہے۔ مستشرقین بھی عام طور پر انہیں کتابوں سے روایات نقل کر کے ان پر اپنے قیاسات

کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اگر کبھی درجہ اول و دوم کی کتب سے کوئی روایت لیتے ہیں تو وہ بھی اپنے مطلب کی'

تم نہ فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ہو　　اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سنتے ہو

چند اصطلاحات حدیث

(الف) رواۃ کی تعداد کے لحاظ سے حدیث کی دو قسمیں ہیں۔ خبر متواتر اور خبر واحد۔

۱۔ خبر متواتر: جس کے راویوں کی تعداد ہر زمانے میں کثرت سے رہی ہو۔ یعنی ہر طبقے میں اسے ایک بڑی جماعت نے روایت کیا ہو اور وہ جماعت اتنی زیادہ ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا ممکن نہ ہو۔

۲۔ خبر واحد: جس کے راویوں کی تعداد خبر متواتر کے راویوں سے کم ہو' اور اس میں خبر متواتر کی تمام شرطیں نہ پائی جائیں۔

۳۔ مشہور: جس کے راویوں کی تعداد ہر طبقہ میں کم از کم تین ہو اور زیادہ کی کوئی حد نہیں بشرطیکہ تواتر کی حد تک نہ پہنچے۔

۴۔ عزیز: جس کے راوی ہر طبقہ میں کم از کم دو رہے ہوں۔ اگر کسی طبقہ میں یہ تعداد بڑھ جائے تو مضائقہ نہیں۔

۵۔ غریب: جس میں روایت کرنے والا ایک ہی شخص ہو' خواہ ہر طبقہ میں ایک رہا ہوں یا کسی ایک طبقہ میں۔ اور باقی طبقات میں راویوں کی تعداد بڑھ گئی ہو۔

(ب) صحت اور عدم صحت کے لحاظ سے حدیث کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ صحیح: جس کے راوی عادل اور ضابط ہوں' سند متصل ہو' ہر قسم کی علت اور شذوذ سے پاک ہو۔

۲۔ حسن:۔ جس کے راویوں میں صرف ضبط کی کمی ہو باقی شرائط صحیح کی شرائط کے مطابق ہوں۔

۳۔ ضعیف:۔ جس میں صحیح اور حسن کی شرائط میں سے ایک یا متعدد شرطیں نہ پائی جائیں۔

۴۔ موضوع:۔ من گھڑت اور جعلی روایت جسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا جائے۔

(ج) ضعیف حدیث کی متعدد قسمیں ہیں۔ جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

۱۔ معلق:۔ جس کی سند کے شروع میں ایک یا ایک سے زیادہ راوی چھوٹ گئے ہوں۔

۲۔ مرسل:۔ جس کی سند کے آخر میں صحابی کا نام حذف کر دیا جائے۔

۳۔ منقطع:۔ جس کی سند کے درمیان ایک یا متعدد راوی متفرق مقامات سے چھوٹ گئے ہوں۔
۴۔ معضل:۔ جس کی سند کے درمیان ایک ہی مقام سے دو یا دو سے زیادہ راوی چھوٹ گئے ہوں۔
۵۔ متروک:۔ جس کی سند میں واقع کسی راوی پر جھوٹ کی تہمت ہو۔
۶۔ منکر:۔ جس کے کسی راوی میں حسب ذیل عیوب پائے جائیں۔
(الف) فاش غلطیاں (ب) غفلت (ج) علانیہ گناہ کا ارتکاب۔
نیز کسی ضعیف راوی کا ثقہ راوی کے خلاف روایت کرنا۔
۷۔ معلل:۔ جس کی سند یا متن میں کوئی پوشیدہ علت پائی جائے اگرچہ بظاہر وہ روایت صحیح نظر آتی ہو۔
۸۔ مدرج:۔ کسی روایت میں ایسے الفاظ کا اضافہ کر دینا جو اصل روایت میں موجود نہ ہوں یہ اضافہ عام طور پر روایت کے آخر میں کیا جاتا ہے۔
۹۔ مقلوب: وہ روایت جس کی سند میں راویوں کے ناموں کو اور متن میں الفاظ کو آگے پیچھے کر دیا گیا ہو۔
۱۰۔ مضطرب: ایسی روایت جسے مختلف راوی مختلف الفاظ سے بیان کریں اور کسی کے بیان کو ترجیح نہ دی جا سکے۔
۱۱۔ شاذ: ثقہ راوی کی روایت جو کسی ثقہ تر راوی کی روایت کے خلاف ہو۔
۱۲۔ مدلس: سند کے کسی عیب کو چھپانا اور روایت کو اس انداز سے بیان کرنا کہ اس پر صحیح یا حسن کا شبہ ہو مثلاً کوئی راوی اپنے شیخ کا نام چھوڑ کر شیخ الشیخ سے روایت کرے جس سے اس نے حدیث سنی تو نہ ہو لیکن الفاظ ایسے استعمال کرے جن سے براہ راست سننا معلوم ہوتا ہو۔ ایسے فعل کو "تدلیس" اور جس روایت میں تدلیس پائی جائے اسے "مدلس" کہا جاتا ہے۔
۱۳۔ معنعن: سند کے بیان میں راوی "عن فلان عن فلان" کے الفاظ استعمال کرے۔
۱۴۔ جہالت الراوی: راوی کا حال معلوم نہ ہو کہ وہ معتبر ہے یا نہیں۔ اگر اس کا نام بھی معلوم نہیں ہے تو اس کی روایت قابل قبول نہیں' اور اگر نام معلوم ہو لیکن اس کے حالات معلوم نہ ہوں تو جب تک اس کا ثقہ ہونا معلوم نہ ہو جائے اس کی روایت مقبول نہ ہو گی(☆)۔

(☆) مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے کتب اصول حدیث۔

مرج البحرین

اللہ کے رسول ﷺ نے امت تک صرف قرآن کے الفاظ ہی نہیں پہنچائے بلکہ اپنے قول اور فعل سے اس کی تشریح اور توضیح کا فریضہ بھی ادا فرمایا ہے بالفاظ دیگر حدیث' قرآن کی بہترین تفسیر ہے۔ ذخیرہ حدیث کا ایک اچھا خاصہ حصہ قرآن کی تائید میں وارد ہوا ہے۔ احادیث صحیحہ اور قرآن کے بیان میں عموما تضاد نہیں پایا جاتا۔ جن روایات میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے۔ ان کے باب میں مفسرین اور محدثین کا طرز عمل حسب ذیل ہے۔

۱۔ کبھی قرآن اور صحیح حدیث میں تضاد فقط لفظی ہوتا ہے۔ اور معنی کے لحاظ سے کوئی تضاد نہیں ہوتا۔ لہٰذا غور و تامل کر کے اس لفظی تضاد کو دور کیا جاتا ہے' یا تاویل کر کے دونوں میں تطبیق کی راہ نکالی جاتی ہے۔

۲۔ اگر کبھی قرآن اور صحیح حدیث میں حقیقی تضاد پایا جائے۔ یعنی لفظی اور معنوی لحاظ سے دونوں ایک دوسرے کی ضد ہوں حتی کہ دونوں کے درمیان تطبیق بھی نہ دی جا سکے تو ایسی صورت میں قرآن کو حدیث پر ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ قرآن متواتر اور قطعی الثبوت ہے اور صحیح حدیث خبر واحد کا درجہ رکھتی ہے۔ ظاہر ہے کہ خبر واحد' متواتر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ نیز یہ بھی مد نظر رہے کہ جو حدیثیں تواتر سے ثابت ہیں ان میں اور قرآن میں کہیں تضاد نہیں پایا جاتا' دونوں قطعی الثبوت' قابل قبول اور قابل عمل ہیں۔

۳۔ اگر قرآن اور ضعیف حدیث میں تضاد پایا جائے اور حدیث کا ضعف شدید نہ ہو تو دونوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی جاتی ہے بصورت دیگر ضعیف حدیث کو بلا تامل ترک کر دیا جاتا ہے۔

۴۔ قرآن اور موضوع (من گھڑت اور جھوٹی) روایت میں تضاد کی صورت میں قرآن کو ترجیح دی جاتی اور موضوع روایت کو مسترد کر دیا جاتا ہے۔ ان دونوں میں تطبیق نہیں دی جاتی۔ حتی کہ قرآن کے موافق موضوع روایت کو بھی قبول نہیں کیا جاتا کیونکہ محدثین نے تصریح کی ہے کہ موضوع حدیث کی روایت اور نشر و اشاعت حرام ہے(☆)۔

(☆) تفصیلات کے لئے اصول حدیث کی کتب دیکھیں۔

قرآن اور حدیث کے باب میں مستشرقین کی عظیم اکثریت علمی خیانت کی مرتکب ہو رہی ہے۔ وہ ذخیرۂ حدیث میں سے اپنے مقصد کی روایت چنتے اور اس پر اپنے اعتراضات کی بنیاد رکھتے ہیں اور یہ زحمت نہیں اٹھاتے کہ اس روایت کو میزان عدل میں تول لیں یا جرح و تعدیل کے

قوانین کی روشنی میں اس کے راویوں کو جانچ پرکھ لیں۔ ان کے ہاں ہر ضعیف اور موضوع روایت قابل قبول ہے جن سے ان کا الو سیدھا ہوتا ہو اور ان کے نظریئے اور مقصد کے خلاف پڑنے والی ہر روایت مردود ٹھہرتی ہے' خواہ وہ صحیح اور متواتر ہی کیوں نہ ہو۔ مستشرقین یہ "جاہلانہ" کام بڑی ڈھٹائی سے کرتے ہیں اور ناواقف لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ کوئی "علمی خدمت" سرانجام دے رہے ہیں۔

سادگی مسلم کی دیکھ' اوروں کی عیاری بھی دیکھ

اخبار و جرائد میں اگر کوئی خبر غلط چھپ جائے یا کسی مضمون میں کوئی بات غلط درج ہو جائے تو اس کی تردید میں "اعتذار" شائع کیا جاتا ہے۔ سمجھ بوجھ رکھنے والے قارئین اس غلط خبر اور غلط مضمون کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کرتے بلکہ "اعتذار" کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی فیصلہ کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح نچلے درجے کی کتب حدیث میں درج کسی روایت کی صحت اور ضعف کا فیصلہ ہونے سے قبل اس روایت کو بنیاد بنا کر قرآن اور اسلام کی کسی تعلیم پر اعتراض کرنا درست نہیں ہے۔ اس اصول سے مستشرقین بھی بے خبر نہیں ہیں وہ حدیث' روایت اور راویوں کی جرح و تعدیل کے قواعد و ضوابط پر عبور رکھتے ہیں اس کے باوجود وہ ان سے کام نہیں لیتے علمی حلقے حیران ہیں کہ اس "تجاہل عارفانہ" کو کیا نام دیں!

سادگی و پرکاری' بے خودی وہشیاری!
حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

مآخذ' مراجع اور تعلیقات

۱ الکتاب المقدس (عربی بائیبل) ۱۹۸۰ء انجیل یوحنا ۱۶: ۱۲' ۱۳۔

۲ کتاب مقدس (اردو بائیبل) ۱۹۶۲ء یوحنا ۱۶: ۱۲' ۱۳۔

۳ کلام مقدس (کیتھولک بائیبل) ۱۹۵۸ء مقدس یوحنا ۱۶: ۱۲' ۱۳۔

۴ الجامع لاحکام القرآن' ابوعبداللّٰہ محمد بن احمد انصاری قرطبی' دارالکتب العلمیہ بیروت الجزء الثانی' سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۰۶' ص:۴۳۔

۵ الاتقان علامہ سیوطی (اردو ترجمہ) ج: ۲ نوع ۷۴۔

۶ البرھان فی علوم القرآن' علامہ زرکشی ج:۲' ص:۲۸۔

۷ الاتقان' ج:۲' نوع ۷۴۔

۸ مناھل العرفان' علامہ زرقانی' دارالفکر بیروت لبنان طبع ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء ج:۲' ص:۱۷۶۔

۹ مفردات القرآن' امام راغب اصفہانی' تحت لفظ "نسخ"۔

۱۰ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر' شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ص:۱۵۔

۱۱ حجۃ اللہ البالغہ' شاہ ولی اللہ ح:۱' ج:۱ باب القضاء فی الاحادیث المختلفہ ص ۳۳۹۔

۱۲ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ڈاکٹر محمد مظہر بقا' بقا پبلی کیشنز گلشن اقبال کراچی طبع ۱۹۸۶ء ص:۲۳۸۔

۱۳ حدیث کا درایتی معیار' مولانا محمد تقی امینی' قدیمی کتب خانہ کراچی طبع ۱۹۸۶ء' ص:۵۹۔

۱۴الف الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص: ۱۵' ۱۶۔

۱۴ب سورۃ البقرۃ ۲ / ۱۰۶۔

۱۵ تدبر قرآن' مولانا امین احسن اصلاحی' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور طبع ۱۹۷۶ء ج:۱' ص:۲۵۲۔

۱۶ ترجمان القرآن مولانا ابوالکلام آزاد' شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ج:۱' ص:۲۸۵' ۲۸۶۔

۱۷ الفوز الکبیر ص:۴۔

۱۸ سورۃ الانعام ۶ / ۱۰۰۔

۱۹ سورۃ الحدید ۵۷ / ۷۔

۲۰ سورۃ النساء ۴ / ۳۶۔

۲۱ سورۃ النور ۲۴/ ۴۔

۲۲ سورۃ البقرۃ ۲/ ۱۰۹۔

۲۳ مناھل العرفان ج:۲' ص:۱۸۰۔

۲۴ سورۃ المجادلہ ۵۸ / ۱۲۔

۲۵ ایضا ۵۸/ ۱۳۔

۲۶ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص:۲۴۶۔

۲۷ ایضا ص: ۲۴۶۔

۲۸ حجۃ اللہ البالغہ ج:۱' باب اسباب النسخ ص: ۳۰۴۔

۲۹۔الف یہ حدیث صحیح نہیں ہے محدثین نے اس پر شدید جرح کی ہے۔ علامہ سندروسی نے اسے "ضعیف جدا" (انتہائی کمزور) کہا ہے۔ علامہ ابن عدی نے اسے منکر قرار دیا ہے۔ علامہ ذہبی نے اس کے ایک راوی جبرون بن واقد کو متہم لکھتے ہوئے اس (روایت) کو موضوع قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ابن عدی اور ذہبی دونوں کی تائید کی ہے۔ حیرت ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے (باوجود اپنی وسعت علمی کے) اس موضوع روایت سے کیسے استدلال کیا! الفوز الکبیر ص:۱۷۔

۲۹۔ب اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص:۲۴۸

۳۰ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص: ۲۴۸۔

۳۱ کشف الاسرار شرح بزدوی' عبدالعزیز بخاری' ص: ۸۹۶۔

۳۲ مناھل العرفان ج: ۲' ص: ۲۵۲۔

۳۳ ایضاج:۲' ص: ۲۵۲۔

۳۴ ایضاج:۲' ص:۲۵۰۔

۳۵ کشف الاسرار شرح بزدوی ص: ۸۹۵۔

۳۶ مناھل العرفان ج:۲' ص ۲۰۹'۲۱۰۔

۳۷ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص: ۲۵۰۔

۳۸ ایضا ص:۲۵۰۔

۳۹ مناھل العرفان ج: ۲' ص: ۲۱۰' ۲۱۱۔

۴۰ التفھیمات الالٰھیۃ ج: ۲' ص: ۷۵۔

۴۱ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص: ۲۵۲۔

۴۲ حجة الله البالغة ج:۱' باب القضاء فی الاحادیث المختلفة ص: ۳۳۹۔

۴۳۔الف الاتقان ج: ۲' نوع ۷۴' سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر ج: ۲' ص: ۶۰۸' مطالعہ قرآن ص: ۲۵۲

۴۳۔ب اس کتاب کا ایک نسخہ دیال سنگھ لائبریری لاہور میں محفوظ ہے۔

۴۴ الفوز الکبیر ص: ۳۷۔

۴۵ التفهیمات الالٰهیة ج:۲' ص: ۱۷۵۔

۴۶ الاتقان ج:۲' نوع ۷۴' مباحث فی علوم القرآن ص: ۲۶۶' ۲۶۷۔

۴۷ جمع الجوامع' علامہ عبدالوہاب تاج الدین ابن سبکی' مطبوعہ ۱۳۶۵ھ ج:۲' ص:۸۸۔

۴۸ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ' مولانا عبیداللہ سندھی طبع ۱۹۴۶ء ص:۸۶ تا۸۹۔

۴۹ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص: ۲۴۲' ۲۴۳۔

۵۰ مطالعہ قرآن ص:۲۵۷۔

۵۱ معارف القرآن ج:۱' ص:۲۸۵'

مزید تشریح کے لئے دیکھئے ڈاکٹر صبحی صالح کی مباحث فی علوم القرآن ص:۲۷۳۔

۵۲ سورة البقرة ۲/ ۱۱۵۔

۵۳ الاتقان ج: ۲' نوع ۷۴۔

۵۴ سورة البقرة ۲/ ۱۸۰۔

۵۵ سورة النساء ۴/ ۱۱' ۱۲۔

۵۶ مناهل العرفان ج:۲' ص:۲۵۷۔

۵۷ الفوز الکبیر ص:۱۵' ۱۶۔

۵۸ مناهل العرفان ج:۲' ص:۲۵۷' الفوز الکبیر ص:۱۶۔

۵۹ تفسیر کبیر' فخرالدین رازی ج:۵' ص:۶۸۔

۶۰ الفوز الکبیر ص:۱۶۔

۶۱ اصول بزدوی' فخرالاسلام علی بن محمد بزدوی' ص:۲۲۲۔

۶۲۔الف اصول سرخسی' ابوبکر محمد بن ابی سہل

۶۲۔ب الجامع لاحکام القرآن تحت تفسیر سورة البقرة آیت ۱۸۰۔

۶۳ تفسیر کبیر ج:۵' ص:۶۷۔

۶۴۔الف تفسیر ابن کثیر ج ۱' ص: ۲۱۱۔

۶۴۔ب الجامع لاحکام القرآن تحت تفسیر سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۰۔

۶۵ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص:۸۸۔

۶۶ ایضاً ص:۶۱' اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص:۲۴۳۔

۶۷ سورۃ النساء ۴/۱۱' ۱۲۔

۶۸ سورۃ الانفال ۸/۶۵۔

۶۹ ایضاً ۸/۶۶۔

۷۰۔الف الفوز الکبیر ص: ۱۷' اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص:۲۴۰' حاشیہ ۳۔

۷۰۔ب حجۃ اللہ البالغہ' شاہ ولی اللہ دہلوی ج:۲ باب الجہاد' ص:۹۰۶'۔

۷۱ الجامع لاحکام القرآن' علامہ قرطبی' تحت تفسیر سورۃ الانفال آیت' ۶۶۔

۷۲ مجموعہ تفاسیر ابو مسلم اصفہانی اردو ترجمہ و تہذیب سید نصیر شاہ و رفیع اللہ ایم اے ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع ۱۹۶۴ء ص:۷۵' ۷۶۔

۷۳ تفسیر کبیر ج:۱۵' ص:۱۹۵۔

۷۴ سورۃ الاحزاب : ۳۳/۲۲۔

۷۵ ایضاً: ۳۳/ ۵۲۔

۷۶ ایضاً: ۳۳/ ۵۰۔

۷۷ الفوز الکبیر ص:۱۸۔

۷۸ تفسیر کبیر ج:۲۵' ص:۲۲۳۔

۷۹ روح المعانی ج:۲۲' ص:۶۶۔

۸۰ بیان القرآن' تحت تفسیر سورۃ الاحزاب آیت' ۵۲' ص: ۸۳۰' تا ۸۳۲۔

۸۱ علوم القرآن' مولانا محمد تقی عثمانی' مکتبہ دار العلوم کراچی طبع ۱۴۱۵ھ ص: ۱۷۰۔

۸۲ مجموعہ تفاسیر ابو مسلم اصفہانی ص:۷۹' ۸۰۔

۸۳ سورۃ المجادلہ ۵۸/ ۱۲۔

۸۴ ایضاً ۵۸/ ۱۳۔

۸۵ الجامع لاحکام القرآن' تحت تفسیر سورۃ المجادلہ آیت ۱۲۔

۸۶ ایضاً آیت: ۱۳۔

۸۷ ایضا آیت :۱۲۔

۸۸ ایضا آیت: ۱۳۔

۸۹ تفسیر کبیر ج:۲۹' ص:۲۷۲۔

۹۰ سورۃ المزمل ۷۳/۱ تا ۴۔

۹۱ ایضا ۷۳ / ۲۰۔

۹۲ الجامع لاحکام القرآن تحت تفسیر سورۃ المزمل آیات :۱ تا ۴۔

۹۳ الفوز الکبیر ص: ۱۸۔

۹۴ مجموعہ تفاسیر ابو مسلم اصفہانی ص: ۸۳' ۸۴۔

۹۵ یتیمة البیان لمشکلات القرآن' مولانا محمد یوسف بنوری اداره تالیفات اشرفیه ملتان طبع سنة ۱۴۱۴ھ ص: ۷۹۔

۹۶ الاتقان ج: ۲' نوع ۷۴۔

۹۷۔الف مناہل العرفان ج: ۲' ص: ۲۵۵' تا ۲۷۰۔

۹۷۔ب مباحث فی علوم القرآن' ڈاکٹر صبحی صالح ص: ۲۷۴۔

۹۸ مطالعۂ قرآن ص: ۲۵۷۔

۹۹ الفوز الکبیر ص:۱۵ تا ۱۸۔

۱۰۰ مناہل العرفان ج: ۲' ص: ۲۰۷۔

۱۰۱ صحیح البخاری' باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف۔

۱۰۲ الاتقان ج:۱' نوع ۱۶۔

۱۰۳ ایضا ج:۱' نوع ۱۶۔

۱۰۴ اگرچہ متعدد اہل علم نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے لیکن علامہ ابن عبد البر اور ابن قتیبہ نے ان کی تردید کی ہے' تفصیلات کے لئے دیکھئے علامہ زرکشی کی البرہان فی علوم القرآن ج:۱' ص: ۲۱۷' تا ۲۲۰۔

۱۰۵ علامہ زرکشی نے اس قول کو اضعف (ضعیف ترین) قرار دیا ہے دیکھئے البرہان فی علوم القرآن ج:۱' ص: ۲۱۴۔

۱۰۶ مناھل العرفان ج:۱' ص:۱۶۱' المبحث السادس۔

۱۰۷ فتح الباری ج:۹' ص: ۲۹' مناھل العرفان ج:۱' المبحث السادس۔

۱۰۸ ایضاح:۹، ص:۲۹۔

۱۰۹ علوم القرآن، مولانا محمد تقی عثمانی ص:۱۳۵۔

(۱۱۰) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ طبع ۱۹۶۴ ص ۱۷۸۔

(۱۱۱) ایضا ص:۱۸۰، ۱۸۱۔

(۱۱۲) ایضا ص ۱۸۲۔

(۱۱۳) ماہنامہ ترجمان القرآن نومبر ۱۹۶۱ ء۔

(۱۱۴) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص ۱۸۰۔

(۱۱۵) تفہیم القرآن ج ۳ ص ۵۵۔

(117) The 100, Michael Hart, Page 39.

(۱۱۸) حجۃ اللّٰہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ ج:۱، ساتویں بحث، باب:۴۔